اردو کے ضرب المثل اشعار

تلاش: اظہر مسعود

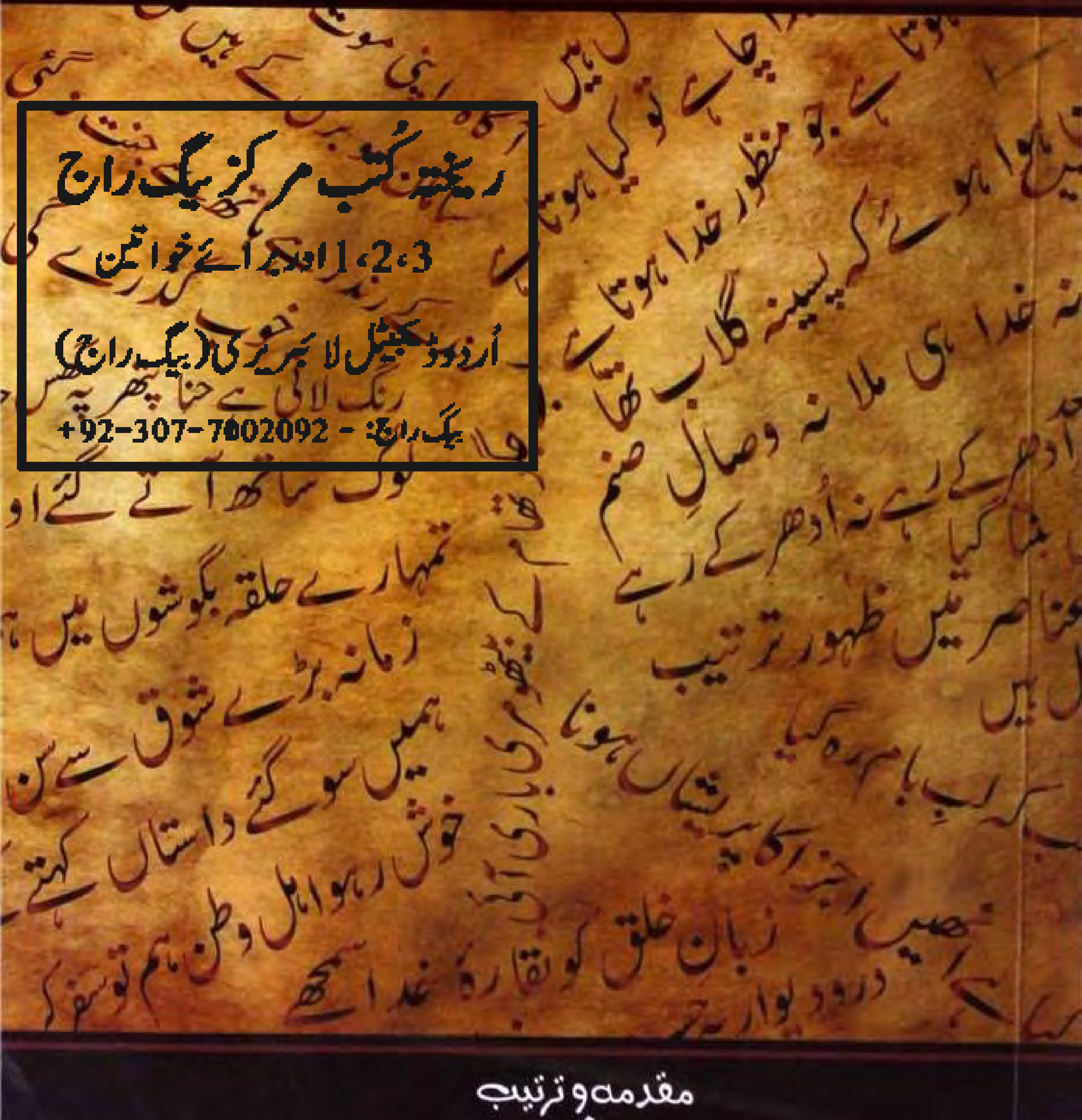

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور بی اے خواتین
اردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: +92-307-7002092

مقدمہ و ترتیب

سید شمیم حسین

URDU ADAB DIGITAL LIBRARY (BAIG_RAJ)

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)

+92 - 307 - 7002092

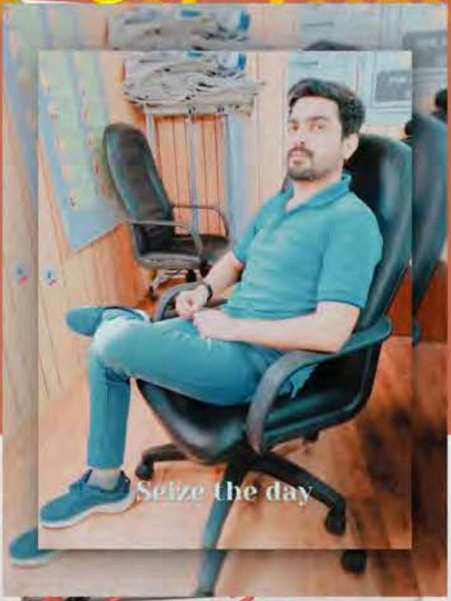

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری اور ریختہ کتب مرکز بیگ راج (1، 2، 3 اور برائے خواتین) گروپس میں تمام ممبران کو خوش آمدید اُردو ادب کی پی ڈی ایف کتابوں تک باآسانی رسائی کیلئے ہمارے واٹس ایپ گروپس اور ٹیلی گرام چینل کو جوائن کریں۔ اور بلا معاوضہ باآسانی کتابیں سرچ اور ڈاؤنلوڈ کریں۔ واٹس ایپ پر خواتین کیلئے علیحدہ گروپ بھی موجود ہے۔ نیچے دیئے گئے لنکس کی مدد سے باآسانی واٹس ایپ گروپ یا ٹیلی گرام چینل میں شامل ہوا جا سکتا ہے اور ایڈمن سے رابطہ کیلئے ایڈمن کے نمبر پر کلک کر کے ڈائریکٹ ایڈمن سے رابطہ کیا جا سکتا ہے

منجانب : گروپ ایڈمن (بیگ راج)

واٹس ایپ لنک:

HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/FSBIJHJMKBQBNKUPZFESZ

HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/HI9ER6LOZGP9MXZBUJQFZD

TELEGRAM - HTTPS://T.ME/JUST4U92

فیس بک پیج لنک : HTTPS://WWW.FACEBOOK.COM/ALMUGHAL.URDU.PAGE

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
3،2،1 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 7002092-307-92+

اردو کے ضرب المثل اشعار

تلاش
اظہر مسعود

مقدمہ و ترتیب
سیّد شمیم حسین

BAIG RAJ 92 307-7002092

ریختہ کُتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - +92-307-7002092

ناشر : سید شمیم حسین

سال اشاعت : ۲۰۱۴ء

تعداد : ۴۰۰

طباعت : ایڈورٹائزرس انڈیا، لکھنؤ

کمپیوٹر کمپوزنگ : شارپ ٹریک، الہ آباد

قیمت : ۱۹۰ روپے

Title : Urdu ke Zarbul Masal Ashaar
Edited by : Syed Shamim Husain 9307042640
Selected by : Azhar Masud
Price : Rs. 190/=

ملنے کے پتے

۱۔ 34-A فرینڈس کالونی، مفتی گنج، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

۲۔ ادبستان، دین دیال روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

۳۔ میسرس دانش محل، امین آباد، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

۴۔ شب خون کتاب گھر، رانی منڈی، الہ آباد

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - +92-307-7002092

انتساب

صاحبان

ذوق

کے

نام

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - +92-307-7002092

BAIG RAJ +92-307-7002092

یہ کتاب اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی
اس کتاب کے مندرجات سے اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ریختہ کُتب مرکز بیگ راج
1، 2، 3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 7002092-307-92+

اعتراف

شمیم حسین صاحب کی تحریک اور ردیف وار ترتیب کی سخت ذمہ داری اٹھانے کی پیش کش نہ ہوتی تو یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں نہ ہوتی۔

اظہر مسعود

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1، 2، 3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - +92-307-7002092

ترتیب

عرض مرتب 13
آتش، خواجہ حیدر علی لکھنوی 53
آرزو، سید انور حسین لکھنوی 55
آصف نواب، آصف الدولہ بہادر 57
اثر، مرزا جعفر علی خاں لکھنوی 58
احسن مارہروی 58
اختر شیرانی لاہوری 58
اختر واجد علی شاہ 59
ادیب، سید مسعود حسن رضوی 59
اسیر، سید مظفر علی 59
اشفاق، اشفاق اللہ خاں 61
افتخار عارف 61
اقبال، سر محمد 62
اکبر، سید اکبر حسین الہ آبادی 68
امانت، سید آغا حسن 73
امیر، امیر احمد مینائی 73
انجام، امیر خاں 74
انشاء، انشاء اللہ خاں 74
انیس، میر ببر علی 75

برقؔ، مرزا محمد رضا لکھنوی	82
برقؔ، منشی جوالا پرشاد سیتاپوری	83
بسملؔ، بانکے لال	84
بسملؔ، رام پرشاد	84
بیخودؔ، سید محمد احمد	84
پروین شاکر	85
تاباںؔ، مہتاب رائے	85
تسکینؔ، میر حسن	85
تسلیمؔ، امیر اللہ	85
تعشقؔ، میرزا	86
ثاقبؔ، ذاکر حسین قزلباش	88
جانؔ صاحب، میر یار علی لکھنوی	89
جرأتؔ، شیخ قلندر بخش	89
جذبیؔ معین احسن	89
جگرؔ علی سکندر مرادآبادی	90
جلالؔ، سید ضامن علی لکھنوی	91
جلیلؔ مانک پوری	92
جوشؔ شبیر حسن خاں ملیح آبادی	93
جوہرؔ، لالہ مادھو رام کانپوری	93
جوہرؔ محمد علی رامپوری	94
چکبستؔ، پنڈت برج نرائن لکھنوی	96
حاتمؔ، شاہ	96
حالیؔ، خواجہ الطاف حسین پانی پتی	98

حسرتؔ، سید فضل الحسن موہانی	100
حفیظؔ، محمد علی جونپوری	101
حیرتؔ، محمد جان الہ آبادی	102
داغؔ، نواب مرزا خاں دہلوی	102
دردؔ، خواجہ میر دہلوی	109
ذوقؔ، شیخ محمد ابراہیم	111
رسواؔ، مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی	115
رشکؔ، میر علی اوسط لکھنوی	115
رشیدؔ، سید مرتضیٰ میرزا عرف پیارے صاحب	116
رند، سید محمد خاں لکھنوی	118
رنگین، سعادت یار خاں دہلوی	119
رواں، جگت موہن لال	120
ریاض خیر آبادی	120
سالک، مرزا قربان علی	120
سراج اورنگ آبادی	120
سرورؔ، مرزا رجب علی بیگ	121
سوداؔ، محمد رفیع دہلوی	121
سوزؔ، میر	124
سہیلؔ، اقبال احمد خاں	125
سیاحؔ، میاں داد خاں	126
شادؔ، علی محمد عظیم آبادی	126
شاد پیرو میر محمد جان لکھنوی	127
شرفؔ، آغا حجو	129

شعورؔ، شیخ عبدالرؤف بریلوی 129
شیداؔ، نثار حسین خاں 130
شیفتہ، مصطفیٰ خاں 130
صفیؔ، سید علی نقی، لکھنوی 131
ضمیرؔ، میر مظفر حسین دہلوی 133
ظفرؔ، بہادر شاہ دہلوی 133
ظہیرؔ، ظہیر الدین دہلوی 134
عاصیؔ، گھنشیام لال 135
عرفان، محمد عرفان صدیقی 135
علی سردار جعفری 135
غالبؔ، مرزا اسد اللہ خاں 135
فانیؔ، شوکت علی خاں بدایونی 151
فرازؔ، احمد 151
فراقؔ، رگھوپتی سہائے گورکھپوری 152
فیضؔ، فیض احمد 152
قائمؔ، قیام الدین چاندپوری 155
گوپال متل ملیر کوٹلوی 156
گویاؔ، فقیر محمد خاں 156
ماچسؔ، مرزا محمد اقبال لکھنوی 157
ماہ لقا بائی چندا حیدرآبادی 157
مجازؔ، اسرار الحق ردولوی/لکھنوی 158
مجروحؔ، سلطانپوری 158
مستؔ کلکتوی 158

مصحفیؔ
مصحفیؔ، غلام ہمدانی 159
مضطرؔ، محمد افتخار حسین خیر آبادی 160
معروفؔ، الٰہی بخش 160
ملاؔ، پنڈت آنند نرائن 161
منیرؔ، سید اسماعیل حسین شکوہ آبادی 161
موجیؔ، موجی رام 162
موزوںؔ، رام نرائن 162
مومنؔ، حکیم مومن خاں دہلوی 162
مونسؔ، میر نواب لکھنوی 165
میرؔ، میر محمد تقی دہلوی/لکھنوی 165
میر حسنؔ دہلوی 173
ناسخؔ، شیخ امام بخش لکھنوی 174
ناصرؔ کاظمی 177
نسیمؔ، دیا شنکر 177
نظامؔ، سید نظام علی شاہ رامپوری 177
نصیرؔ، شاہ دہلوی 177
نظیرؔ، ولی محمد اکبر آبادی 178
وحشتؔ کلکتوی 180
وزیرؔ، خواجہ حسن لکھنوی 180
ولیؔ دکنی 181
ہدایت، ہدایت اللہ خاں 181
ہوسؔ، مرزا محمد تقی خاں 181
یاسؔ یگانہ، مرزا واجد حسین چنگیزی عظیم آبادی 182

◎◎◎

ریختہ کُتب مرکز بیگ راج
3،2،1 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 7802092-307-92+

عرضِ مرتب

بات میں زور پیدا کرنے کے لیے ایسی نابغۂ روزگار ہستیوں کے اقوال جو یہ دعوا کرنے کے حقدار ہیں کہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کا استعمال کثرت سے کیا جاتا ہے اور اپنی تحریر کے استناد و اعتبار کی دلیل صاحبانِ نظر کے نظریات سے پیش کی جاتی ہے۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں اشعار بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ شعر قاری یا سامع کے ذہن کو مصنف یا مقرر کے نفسِ مضمون کی طرف زیادہ سرعت و پائیداری کے ساتھ منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے برمحل استعمال سے کلام (صرف شاعری نہیں) میں گیرائی کا حسن بڑھ جاتا ہے۔

اردو کے ایسے بہت سے شعر ہیں جنھوں نے زبان زد ہوتے ہوتے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور بہت سے شعر ایسے بھی ہیں جو اپنے مضمون اور طرزِ ادا کی دلکشی کے سبب زبان زد ہونے اور پھر ضرب المثل بننے کی صلاحیت تو بدرجہ اتم رکھتے ہیں لیکن کسی وجہ سے وہ قارئین و سامعین کے حافظہ میں جگہ نہ بنا سکے۔

جہاں تک راقم کی نظر کا سوال ہے تو وہ تا حال ایسے اشعار کے کسی لائق توجہ مجموعے تک نہیں پہنچ سکی ہے جس میں قابل لحاظ تعداد ضرب المثل اشعار کی جمع کر دی گئی ہو۔ ضرب المثل شعر کے خالق کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی بڑا مشہور شاعر ہو۔ مثلاً لالہ مادھو رام جوہر کانپوری کو ہی لے لیجیے۔ اگر اتر پردیش اردو اکادمی نے ان کے کلام کا انتخاب شائع نہ کیا ہوتا تو ایسے حضرات نہایت قلیل تعداد میں نکلتے جو ان

کے نام وکلام سے واقف ہوں۔ ان کے یہ شعر دیکھیے اپنے خالق کے نام کے بغیر لوگوں کے دلوں میں کتنی گہرائی تک اترے ہوئے ہیں ؎

بھانپ ہی لیں گے اشارہ سرِ محفل جو کیا

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اب عطر بھی ملیں تو تکلف کی بو کہاں

وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

ایک مصرع ہے یا شاید لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو کہ یہ کسی شعر کا مصرع ہے ؎

''خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو''

یہ دراصل میاں داد خان سیاحؔ کی ایک غزل کے مطلع کا مصرعۂ ثانی ہے۔ پہلا مصرع یہ ہے

قیسؔ جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو

میرے دوست اظہر مسعود نے ایسے کئی سو شعر جمع کئے تھے جنھیں وہ وقتاً فوقتاً ایک اخبار میں کالم کے طور پر چھپوا بھی دیا کرتے تھے اب یہ سلسلہ بند ہے مگر اس عرصے میں جتنی تعداد میں ضرب المثل اشعار جمع ہوگئے وہی دعوتِ نگاہ کے لیے بہت ہیں۔ اظہر مسعود نے صرف وہی شعر منتخب کیے ہیں جن کے تخلص کے ساتھ ان کے خالق کا پورا نام بھی معلوم ہو۔ ان اشعار کی جمع آوری کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یا یوں کہیے کہ ''گویا یہ بھی میرے دل میں ہے'' کی کیفیت کی وجہ سے یہ کام شاید بہت مشکل نہ معلوم ہوتا ہو مگر ہے فی الاصل نہایت دقت طلب اور دیدہ ریزی کا متقاضی۔ پڑھتے وقت تو قاری کو ایسا محسوس ہوگا کہ یہ شعر تو اس کا سنا ہوا ہے مگر یک جا کرنے بیٹھیے تو ان کی تعداد بمشکل دس پندرہ کے آگے بڑھے گی۔

شامتِ اعمال کہیے کہ میں نے اظہر مسعود کو یہ مشورہ دیا کہ انھیں ردیف

وار کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو بڑی کارآمد شے ہوگی۔ شامت اعمال میں نے یوں کہا کہ میں نے ان کے مزاحیہ کالم مجموعے کی شکل میں شائع کرنے کا مشورہ دیا تھا، نتیجے میں اس کی ترتیب کی ذمہ داری اپنے ہی سر آپڑی تھی۔ اسی طرح ضرب المثل اشعار کو کتاب کی شکل میں چھپوانے کے مشورے نے بھی ایک بڑی ذمے داری میرے سر پر ڈال دی۔

اظہر مسعود چونکہ طبعی طور پر طنز و مزاح نگار ہیں۔ ان کی تین کتابیں 'شکم آشنا' 'بے تکلف' اور 'درشن جھروکا' شائع ہو کر قبولِ عام پا چکی ہیں اور چوتھی اور پانچویں 'مرزا نامہ' اور ڈرتا ہوں آئینے سے اشاعت کی منزل میں ہیں اور امید ہے کہ جلد شائع ہوں گی۔ فی الحال ان کی تازہ تحریریں ملک کے موقر رسائل میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں، وہ نہ تو زود نویس ہیں اور نہ بسیار نویس، اعلیٰ درجے کا مزاح ان صفتوں کا متحمل ہو بھی نہیں سکتا۔

زیر نظر کام کو 'شامت اعمال' کا نام میں نے از روے مزاح دیا ہے ورنہ اچھے کام میں تعاون کرنا بجائے خود بڑی سعادت کی بات ہے۔ دیگر یہ کہ لائبریری سائنس کا ایک طالب علم ہونے اور بحیثیت لائبریرین کیٹیلاگنگ کے کام کا تجربہ ہونے کے باعث میرے لیے اشعار کی ترتیب کا کام کارِ محال نہیں تھا۔

میں نے اپنے لیے ترتیب کی راہ میں ایک اور مشکل کھڑی کر لی۔ عام طور پر دواوین اور انتخابات، جو ردیف وار ترتیب دیئے جاتے ہیں، ان میں مصرع ثانی کے صرف آخری حرف کا لحاظ رکھا جاتا ہے میں نے شاعروں کی ترتیب بھی ان کے تخلص کے مطابق بہ اعتبار حروف تہجی قائم کی ہے اور جس شاعر کے جتنے شعر شامل مجموعہ ہیں انھیں بھی ردیف وار کر دیا ہے۔ امید ہے اس التزام سے مطالعے میں سہولت ہوگی۔

ان سخن فہم و سخن شناس شعرا کا ذکر جن کے کمالِ فن نے اردو شاعری کو نہ

صرف بام عروج پر پہنچایا بلکہ اردو ادب کے شہ سواروں میں ان کے نام بھی حیاتِ دوام پا گئے گویا میرؔ، سوداؔ، دردؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، داغؔ، امیرؔ مینائی، آتشؔ، ناسخؔ، مصحفیؔ، میر حسنؔ، نسیمؔ، انیسؔ، علامہ اقبالؔ، حالیؔ، فراقؔ، فیضؔ، وغیرہ جو اس مجموعے میں شامل ہیں، جن کے اشعار قبول عام و خاص اور زبانِ زد خاص و عام ہیں اور ایسے کم معروف شعرأ بھی شامل مجموعہ ہیں جنھیں وہ شہرت حاصل نہ ہوسکی جیسی کہ محولہ بالا شعرأ کو میسر ہوئی۔ راقم نے سوچا کہ بے حد معروف شعرأ کے سوا کیوں نہ ایسے چند کم معروف شعرا کا حال قلم بند کیا جائے جس سے تحقیقی کام کرنے والے حضرات نیز اردو طلباء بخوبی مستفیذ ہوسکیں۔ ان شعراء کی بابت لکھنے کے خیال کو عملی شکل دینے کے لیے راقم نے متعدد کتب جیسے اردو اکادمی سے شائع شدہ انتخابات، دلی کا دبستان شاعری، لکھنؤ کا دبستان شاعری، حسن انتخاب، تذکرے و دیگر کتب کا مطالعہ کیا تب ہی ان شعراء پر لکھنا ممکن ہوسکا۔

آرزو لکھنوی

نام : سید انور حسین عرف منجھو صاحب ابن ذاکر حسین یاس لکھنوی

ولادت : ۱۸۸۲ء لکھنؤ

وفات : ۱۹۵۱ء

استاد : ضامن علی جلال لکھنوی

ادبی آثار : چار دیوان (۱) فغان آرزو۔ (۲) جہان آرزو۔ (۳) نشانِ آرزو۔ (۴) سریلی بانسری، مراثی، مثنویاں، قطعات، رباعیات وسلام۔ محاورہ اور زبان کے معاملے میں خدائے سخن میرؔ کے پیرو تھے، وہی بندش، وہی طرز ادا، وہی کوثر میں دھلی ہوئی زبان، ندرت محاورات، جدت ادا، خوبیٔ زبان کے لیے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائیں گے
اب تم پھروگے چاک گریباں کیے ہوئے
جوشِ جنوں میں پھر ترے وحشی کا چیخنا
بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کیے ہوئے

جانتے تھے دے کے دلِ قابو میں ان کو لائیں گے
یہ نہ تھا معلوم اس سودے میں خود بِک جائیں گے

آصفؔ

نام : نواب آصف الدولہ بہادر (مرزا یحییٰ خاں عرف مرزا امانی مخاطب بہ نواب آصف الدولہ بہادر) ابن نواب شجاع الدولہ بہادر

ولادت : ۱۱۶۱ھ (۱۷۷۵ء کو مسند وزارت پر متمکن ہوئے، فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ کو پائے تخت قرار دیا۔

وفات : ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۱۷۹۷ء

استاد : میر محمد علی وہمؔ و میر سوزؔ دہلوی

ادبی آثار : دیوانِ آصفؔ (اس کے نسخے لندن، حیدرآباد، کلکتہ، لکھنؤ میں موجود ہیں) اس نسخے میں غزلیں، مخمسات، قطعات، مسدس، درمیان میں فارسی کلام پھر اردو رباعیاں پھر ایک طویل مثنوی۔

عموماً مختصر، سادہ، سہل ردیف و قافیہ میں غزل کہتے تھے۔

اشعار یہ ہیں ؎

یہ نہ آنے کے بہانے ہیں کبھی ورنہ میاں
اتنا تو گھر سے مرے کچھ نہیں گھر دور ترا

ملنے کو تجھ سے دل تو مرا بے قرار ہے
تو آ کے مل نہ مل یہ ترا اختیار ہے

آصفؔ نہ چھوڑ دستِ سخاوت کو زینہار
لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جاوے گا تو لیے

اثرؔ لکھنوی

نام : نواب مرزا جعفر علی خاں

ولادت : ۱۲؍جولائی ۱۸۸۵ء (کٹرا ابوتراب خاں، لکھنؤ)

وفات : ۶؍جون ۱۹۶۷ء

مدفن کربلا تالکٹورہ اندرونی احاطے میں روضے کے جنوب کی جانب کھلے صحن میں۔

ادبی آثار : تین دیوان (۱) اثرستان ۱۹۲۴ء (۲) بہاراں ۱۹۲۹ء (۳) نو بہاراں (۱۹۵۷ء) غیر مطبوعہ دیوان 'سحرستان'

اثرؔ بجا طور پر لکھنؤ کی زبان کے لیے سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس طرح ناسخؔ، رشکؔ، جلالؔ، آرزوؔ جیسے باکمال شعرا زبان و بیان میں اپنا جواب آپ تھے اسی طرح اثرؔ بھی لکھنؤ کی زبان برتنے میں اپنا جواب آپ تھے۔

نمونۂ کلام:

شاملِ حسن جو رنگینیٔ بیداد نہ ہو
ایسی دلچسپ کبھی عشق کی روداد نہ ہو

تپشِ دل جو بڑھی ہوش کا پردہ سرکا
بے خودی میں نظر آئی تری تصویر مجھے

اختر شیرانی

نام : محمد داؤد خاں

ولادت : ۴ رمئی ۱۹۰۵ء (ریاست ٹونک)

وفات : ۹ رستمبر ۱۹۴۸ء (لاہور) بہ عمر ۴۳ برس

استاد : محمد صابر شاکر

ادبی آثار : تصانیف پھولوں کے گیت، نغمۂ حرم، صبح بہاراں، اختر ستان، لالۂ طور، طیور آوارہ، شہناز، شہرود، شعرستان وغیرہ

اختر شیرانی کے یہاں تخئیل کی فراوانی، انفرادیت، سادگی، بے باکی، فطرت سے لگاؤ، بے ساختگی یہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

شعر یہ ہے

وہ کہتے رہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں

اختر

نام : نواب واجد علی شاہ ابن امجد علی شاہ بادشاہ
واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے، ابوالمظفر ناصرالدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زماں سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ لقب اختیار کیا۔

ولادت : ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۲ء

وفات : ۱۳۰۶ھ مٹیا برج کلکتہ

استاد : امداد حسین خاں

ادبی آثار : مثنوی حزن اختر، بنی، ڈرامہ رادھا کنہیا کا قصہ، دواوین، گلدستۂ عاشقاں، سخن اشرف، دیوانِ مبارک، شیوع فیض، قمر مضمون، نظم

نامور، دیوان ایمان وغیرہ۔ بقول مسعود حسن رضوی ادیب واجد علی شاہ کی لکھی ہوئی مختلف موضوعات پر اردو فارسی میں نثر و نظم کی کتابوں کی تعداد سو سے اوپر ہے جسمیں سے ساٹھ نسخے خود ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

نمونہ کلام:

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

ادیبؔ

نام	:	سید مسعود حسن رضوی ابن حکیم سید مرتضیٰ حسین
ولادت	:	۲۹/جولائی ۱۸۹۳ء (قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ)
وفات	:	۲۹/نومبر ۱۹۷۵ء (مدفن کربلائے منشی فضل حسین خاں، لکھنؤ)
استاد	:	چودھری محمد ماہ (تعلقدار اناؤ)
ادبی آثار	:	ہماری شاعری، روح انیسؔ، رزم نامۂ انیسؔ، شاعر اعظم انیسؔ، اسلافِ میر انیسؔ، شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب، متفرقات غالبؔ فیض میرؔ، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، نگارشات ادیبؔ، سلطان عالم واجد علی شاہ، اندر سبھا، ایرانیوں کا مقدس ڈرامہ، لکھنؤ کا شاہی اسٹیج، لکھنؤ کا عوامی اسٹیج، اندر سبھا وغیرہ۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب کی ادبی شخصیت کا تعین کیا جائے تو وہ نقاد، محقق، مرتب، مولف، مترجم، تبصرہ نگار، ماہر قواعد زبان تھے۔ ادیب کی شخصیت سے کون واقف نہ ہوگا لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام داخلی کیفیات اور ذاتی تجربات کا نچوڑ ہے وہ واردات اور کیفیات دل کو لفظوں کا روپ دیتے ہیں۔ کلام میں سادگی و شگفتگی ہے۔ اشعار یہ ہیں ؎

کچھ عجب حالت ہے راہِ منزلِ مقصود کی
جتنا جتنا میں بڑھا میرا سفر بڑھتا گیا

پھر ظلم پہ مائل ہیں تو اتنا بھی سمجھ لیں
باقی ہے مری آہ میں تاثیر ابھی تک

پاؤں میں ہوتی ہے بیڑی کی گرانی محسوس
دھیان جب یہ نہیں رہتا کہ اب آزاد ہوں میں

اسیرؔ

نام : سید مظفر علی ابن سید مدو علی مائلؔ امیٹھوی

ولادت : ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء (قصبہ امیٹھی متعلقہ پرگنہ گوشائیں گنج، ضلع لکھنؤ)

وفات : ۱۷ربیع الاول ۱۲۹۹ھ/ ۷رفروری ۱۸۸۲ء لکھنؤ)

استاد : مصحفیؔ

ادبی آثار : اردو، فارسی اور عربی میں تصنیفات کی تعداد تیس سے زیادہ ہے، دیوان گلشنِ تعلق (فارسی) تین دیوان اردو میں۔ (۱) گلستان سخن۔ (۲) ریاض مصنف۔ (۳) دیوان اسیرؔ، اس کے علاوہ دیوان منقبت موسوم بہ گلدستۂ امامت، مثنویات، قصائد، علم عروض ونحو، رقعات، مراثی، سلام، داستانیں وغیرہ۔

نمونۂ کلام :

عشاق کی قبروں پہ نہ یوں ناز سے چلیے
سوتے ہوئے فتنوں کو جگانا نہیں اچھا

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز کس کی ہے
ہزاروں اٹھ گئے، رونق وہی باقی ہے محفل کی

خدا دراز کرے عمر تیغِ قاتل کی
کہ سب سے بڑھ کے ہمارا خیال رکھتی ہے

امانتؔ

نام : سید آغا حسن (تخلص استادِ امانتؔ)

وفات : ۲۸ جمادی الاول ۱۸۵۸ء (امام باڑے آغا باقر کے قریب مسافر خانے میں دفن ہوئے)

ادبی آثار : اندر سبھا، دیوان خزائن الفصاحت، گلدستۂ امانت، سلام، مرثیے، واسوخت، چیستاں، معما اور پہیلی گوئی، واسوخت گوئی میں اپنے فن کے امام ہیں۔

اشعار یہ ہیں :

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم اپنا
قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیاد کیا کیجیے

ہے عشق کا دریا بہ سرِ جوش، امانتؔ
عالم میں بنا رکھے آبرو اللہ تمہاری

انجامؔ

نام : نواب امیر خاں خلف الصدق نواب بقاؔ، انجامؔ محمد شاہ بادشاہ کے منھ چڑھے امیر و مصاحب تھے منصب ہفت ہزاری تھا۔

وفات : ۱۱۵۹ ہجری

استاد : میرزا بیدل

ادبی آثار : فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ مکرنی دوہرہ نئے راگ ایجاد کرنے میں دستگاہ تھی۔ مزاج میں لطیفہ گوئی و خوش طبعی بہت تھی۔

نمونۂ کلام :

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد وغم کھانے کو ہم

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

انشاؔ

نام : انشاء اللہ خاں ابن حکیم سید ماشاء اللہ خاں بہادر اسد جنگ المتخلص بہ مصدرؔ

ولادت : ۱۱۲۹ھ مطابق ۱۷۵۶ء (مرشد آباد)

وفات : ۱۲۳۳ھ بہ عمر ۶۵ سال

استاد : حکیم سید ماشاء اللہ خاں مصدرؔ

ادبی آثار : (۱) دریائے لطافت (سید انشاء اور مرزا محمد حسن قتیل کی مشترکہ تصنیف) (۲) لطائف السعادت (۳) سلکِ گہر (بے نقط عبارت) (۴) ترکی روزنامچہ (۵) دیوان غزلیات اردو (۶) دیوان ریختی (۷) دیوان فارسی (۸) دیوان بے نقط (۹) عطر المرام (حضرت علی کی شان میں نظم بہ نام طور الکلام) مثنویاں، قصیدے،

قطعات، رباعیات۔

نمونۂ کلام :

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بہ روز عید قرباں
وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صحبت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

برقؔ لکھنوی

نام : مرزا محمد رضا (رضاؔ و برقؔ دونوں تخلص دیوانِ برقؔ میں ملتے ہیں) ابن مولانا مرزا کاظم علی ملقب بہ صاحبؔ

ولادت : ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء (لکھنؤ)

وفات : شنبہ ۲۸ر صفر ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۷را کتوبر ۱۸۵۷ء مدفن۔ امامباڑہ میرزا احمد سوداگر (لکھنؤ)

استاد : شیخ ناسخؔ

ادبی آثار : ضخیم دیوان میں غزلیں، مخمس مرثیے، مسدس، ترجیع بند، رباعیاں قطعے، واسوخت بھی شامل مجموعہ ہے۔ برق نہایت پُر گو تھے۔

اشعار یہ ہیں ؎

اے صنم وصل کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو
دیکھ لینا مجھے تم موسمِ گل آنے دو

شکوہ میں نے جو کیا جائے شکایت نہیں یہ
جس سے ہوتی ہے امید اس سے گلہ ہوتا ہے

بیخودؔ موہانی

نام : سید محمد احمد
ولادت : ۱۸۸۳ء (قصبہ موہان ضلع اناؤ، اتر پردیش)
وفات : ۲۷ر نومبر ۱۹۴۰ء بہ عمر ۵۷ سال (لکھنؤ)
ادبی آثار : کلیات اردو (اس میں قند پارسی کے نام سے فارسی کلام بھی شامل ہے) شرح دیوان غالب، گنجینۂ تحقیق، جوہر آئینہ، منظر آئینہ۔
نمونۂ کلام :

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے کبھی سر رکھ دیا خاکِ نشیمن پر

شرمِ گنہ سے جانبِ دوزخ چلا جو میں
رحمت پکار اٹھی ارے ظالم کہاں کہاں

تسلیمؔ

نام : منشی امیر اللہ ابن مولوی عبد الصمد
ولادت : ۱۸۱۹ء (فیض آباد)
وفات : ۲۸ر مئی ۱۹۱۱ء
ادبی آثار : دواوین (۱) نظم ارجمند (۲) نظم دل افروز (۳) دفتر خیال مطبوعہ مثنویاں نالۂ تسلیم شام غریباں، دل و جان، صبح خنداں، نغمۂ مسلسل،

شوکت شاہ جہانی وغیرہ یادگار ہیں۔ تسلیم کے کلام میں فصاحت، بلاغت، شوخی کمال درجہ پر ہے دقیق مضامین بھی سادگی اور صفائی سے ادا کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

خشک گل افسردہ سبزہ شمع چپ بالیں اداس
جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھ کر

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتادو تمہیں چاہیں کیوں کر

غم نہیں روئے اجل مر کے اگر دیکھ لیا
غم تو یہ ہے، ملک الموت نے گھر دیکھ لیا

ثاقبؔ لکھنوی

نام : مرزا ذاکر حسین قزلباش ابن مرزا محمد حسین

ولادت : ۲/جنوری ۱۸۶۹ء بمطابق ۱۹/رمضان ۱۲۸۵ھ (اکبر آباد)

وفات : ۱۹۴۶ء (محلہ کٹرہ ابوتراب خاں لکھنؤ)

ادبی آثار : دیوان ثاقب

شاعری میں ثاقب نے میرؔ و غالبؔ کا رنگ اختیار کیا۔ ریاست محمود آباد کے درباری شاعر قرار پائے۔ کلام میں عارفانہ بصیرت اور متصوفانہ سنجیدگی ملتی ہے۔ ان کے اشعار یہ ہیں ؎

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

جان صاحب

نام : میر یار علی خلف میر امن
ولادت : ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۰ء (فرخ آباد، یو۔پی)
وفات : ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء بہ عمر ۷۶ سال (رستم نگر لکھنؤ)
استاد : نواب عاشور علی خاں
ادبی آثار : ریختی کے دو دیوان

جان صاحب نے بہ نسبت انشاؔ اور رنگینؔ کے ریختی کو آب و تاب و وسعت دی۔

نمونہ کلام:

ملک الموت کا ہے یہ موا چھوٹا بھائی
نخاس حال؟ موت کے بازار کا مختار ہے عشق

یہ نوج ایسے دوست بھی اے جانؔ ہے یہی دشمن
تجھ کا جان بھی لے کے رکھتا ہے یہ نال ہلاک

نہیں کیا مٹی میں ملیں خاک تجھے پہچانے
جانیں کی ہوتی ہے اپنے جانؔ جب انجان عزیز

جرأت

نام : شیخ قلندر بخش ابن حافظ امان (جرأت کا اصلی نام یحییٰ امان تھا لیکن قلندر بخش کے نام سے مشہور ہوئے)
وفات : ۱۲۲۴ھ (لکھنؤ)

استاد : میاں جعفر علی حسرتؔ

ادبی آثار : ان کے تین دیوانوں میں غزلیں، قصائد، مثنویاں، رباعیاں، مخمس، واسوخت اور چند ہجویں اور تاریخیں ہیں۔

عین جوانی میں اندھے ہو گئے۔ ان کی غزلیں فصاحت اور محاورے کی جان ہیں۔ اظہارِ جذبات، نازک خیالی، چستی، صفائی اورِ پختگی آپ کی زبان کے خاص جوہر ہیں۔

اشعار یہ ہیں

لگ جا گلے سے تاب اب اے نازنیں نہیں
ہے ہے خدا کے واسطے مت کر نہیں نہیں

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی، رات گئی دن آیا

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جلالؔ لکھنوی

نام : میر ضامن علی ابنِ اصغر علی داستان گو (آبائی پیشہ فن طبابت)

ولادت : ۱۲۴۸ھ (لکھنؤ)

وفات : ۴ شوال ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۰۹ء
(مدفن کربلا تالکٹورہ لکھنؤ)

استاد : میر علی اوسط رشکؔ اور مرزا محمد رضا برقؔ لکھنوی

ادبی آثار : نظم میں چار دیوان۔ (۱) شاہد شوخ ملقب بہ نیرنگ خیال (۲) کرشمہ گاہ سخن معروف بہ زبان جلالؔ (۳) مضمون ہائے دلکش وخیالات بے

مثال (۴) نظم نگاریں وحسن مقال اس کے علاوہ سرمایۂ زبان اردو، دستور الفصحا، داستان بالا باختر (قلمی) وغیرہ اصلاح زبان کے علاوہ مسلم الثبوت نغز گو تھے۔

زبان و بیان کے علاوہ کیفیات سے پر اشعار یہ ہیں ؎

تمہارے حلقہ بگوشوں میں ہم بھی داخل ہیں
پڑا رہے یہ سخن کان میں گہر کی طرح

جلالؔ صاحب دولت کرے خدا جس کو
جھکے ہر ایک سے وہ نخل بارور کی طرح

ہم کو ستم وجور کے لائق تو وہ سمجھیں
اچھا نہ سہی لطف و عنایات کے قابل

جلیلؔ مانک پوری

نام : حافظ جلیل حسن ابن حافظ عبدالکریم

میر عثمان علی نظام حیدر آباد نے جلیلؔ کو استاد السلطان اور امام الفن کے خطابات عطا کیے

ولادت : ۱۸۶۴ء قصبہ مانک پور ضلع پرتاپ گڈھ

وفات : ۶ رجنوری ۱۹۴۶ء (حیدر آباد)

استاد : امیر مینائی

ادبی آثار : مدیر رسائل محبوب الکلام، اور دبدبۂ آصفی، (حیدر آباد) تخلیق تذکیرو تانیث، قطعات، تاریخیں، قصیدے، رباعیات، اردو کا عروض، جانِ سخن، کلام جلیل، معراج سخن، عطر سخن، گل صد برگ، سوانح امیر مینائی، سرتاج سخن، تاریخ دکن روح سخن، معیار اردو وغیرہ۔

اشعار میں سادگی و پرکاری، معاملہ بندی وشوخی، جذبات نگاری وسہل

بیان، معنی آفرینی، جدت فکر، تشبیہات استعارات کا برمحل استعمال۔

نمونۂ کلام ـــ اشعار یہ ہیں ؂

جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گزارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

قاصد پیام شوق کو دینا بہت نہ طول
کہنا فقط یہ ان سے کہ آنکھیں ترس گئیں

جوش ملیح آبادی

نام : شبیر حسن خاں ابن بشیر احمد خاں بشیر

ولادت : ۵/دسمبر ۱۸۹۶ء (محلہ مرزا گنج ملیح آباد)

وفات : ۲۲/فروری ۱۹۸۲ء (اسلام آباد، پاکستان)

استاد : عزیز لکھنوی

ادبی آثار : روحِ ادب، فکر و نشاط، شعلہ و شبنم، سنبل و سلاسل، عرش و فرش، سرود و خروش، حرف و حکایت، سموم و صبا، رامش و رنگ، آیات و نغمات، سیف و سبو، طلوعِ فکر، موجد و مفکر، جنون و حکمت، نجوم و جواہر، الہام و افکار، حرفِ آخر، یادوں کی برات یادگار ہیں۔

جوش کے کلام میں فطرت نگاری اور رومانیت خوب ہے۔

نمونہ کلام: ؂

میرے رونے کا جس میں قصہ ہے
عمر کا بہترین حصہ ہے

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوشؔ سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

جوہرؔ

نام : لالہ مادھورام (فرخ آباد، اتر پردیش)

وفات : ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء

استاد : سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی

ادبی آثار : دیوان اردو۔ شاعر بے مثال ہے۔ فصاحت، بلاغت، متانت، شوخی کمال درجہ پر ہے۔ بہت سے اشعار ضرب المثل ہیں۔

اشعار یہ ہیں ؎

بھانپ ہی لیں گے اشارہ سر محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اب عطر بھی ملیں تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کے
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

جوہرؔ

نام : مولانا محمد علی ابن عبد العلی

ولادت : ۱۰/دسمبر ۱۸۷۸ء مطابق ۱۵/ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ رامپور یوپی۔ محلہ

کوچہ لنگر خانہ رامپور۔

وفات : ۴ر جنوری ۱۹۳۱ء (لندن) بیت المقدس میں تدفین ہوئی۔

ادبی آثار : کامریڈ (انگریزی ہفت روزہ) اخبار ہمدرو، صحافتی تحریروں کے علاوہ ان کی شاعری جذب و ذوق اور شعور کی ترجمان ہے۔ دروں بینی اور رمزیت جوہر کی غزلوں میں خصوصی طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اشعار یہ ہیں ؎

ہے ظلم بہت عام ترا پھر بھی ستمگر
مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لیے ہے

قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کہہ لینے دو دل کھول کے ناصح کو نہ ٹوکو
کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے

چکبستؔ لکھنوی

نام : پنڈت برج نرائن ابن پنڈت ادت نرائن چکبست

ولادت : ۱۹ر جنوری ۱۸۸۲ء (محلہ مغل پورہ فیض آباد)

وفات : ۱۲ر فروری ۱۹۲۶ء (رائے بریلی میں انتقال آخری رسومات لکھنو میں) غزل میں آتشؔ اور مسدس میں میر انیسؔ کے معتقد اور مداح تھے۔

استاد : افضل علی خاں افضل

ادبی آثار : غزل کے علاوہ قومی نظمیں مرثیے، مسدس وغیرہ، اشعار میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ شعر ملاحظہ کریں ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزاء کا پریشاں ہونا

ریختہ کُتب مرکز بیگ راج
3،2،1 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 92-307-7002092+

حسرت موہانی

نام : سید فضل الحسن

ولادت : ۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء (لکھنؤ)

وفات : ۱۳ رمئی ۱۹۵۱ء (تدفین باغ مولانا انوار، رکاب گنج، لکھنؤ)

استاد : امیر اللہ تسلیم

ادبی آثار : کلیات حسرت موہانی، مطبوعہ دیوانوں کی تعداد تیرہ ہے۔ مخمس، ٹھمری، غزلیں، آزادیٔ وطن کی دھن نے انھیں عرفانیت بخشی جس کے سبب عمر کا طویل حصہ جیل میں گذرا۔

نمونہ کلام :

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

شعر دراصل ہیں وہی حسرت
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

گذرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بے مثل ہے حسرت سخنِ میر ابھی تک

حیرت الہ آبادی

نام : محمد جان خاں ابن باز خاں باشندہ الہ آباد

دورِ حیات انیسویں صدی عیسوی ساکن رانی منڈی الہ آباد تلاش بسیار کے باوجود تاریخِ ولادت و پیدائش کا تذکرہ نہیں ملتا۔

ادبی آثار : اردو دیوان آئینۂ حیرت ۱۸۸۰ء اور کلیات حیرت

استاد : اعظم الہ آبادی اور مولوی وحید الدین الہ آبادی

حیرتؔ الہ آبادی کے اشعار یہ ہیں ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

مرقد سے میرے اٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے وہ خاک کسی ناتواں کی ہے

ہے وہی دشمن جاں خیر نہیں اے حیرتؔ
جس کا شہرہ ہے زمانہ میں مسیحائی کا

رُسواؔ لکھنوی

نام : مرزا محمد ہادی ابن مرزا آغا محمد تقی مرحوم

ولادت : ۱۸۵۷ء (محلہ چوپٹیاں لکھنؤ)

وفات : ۲۱ ؍ اکتوبر ۱۹۳۱ء (حیدر آباد میں تدفین ہوئی)

استاد : مرزا اوجؔ

ادبی آثار : امراؤ جان ادا، افشائے راز، ذات شریف، شریف زادہ، مثنوی مرقع لیلیٰ و مجنوں، مثنوی امید و بیم، لذتِ فنا وغیرہ قصائد، مثنویاں، غزلیات۔

شاعری میں استاد کے بجائے اپنا رنگ اپنایا۔ غزلوں کی زبان شستہ، صاف و سلیس، محاورات فصیح اور خیالات بلند۔ وہ حقیقی معنوں میں (Genius) تھے۔

اشعار یہ ہیں ؎

نہ پوچھ نامۂ اعمال کی دل آویزی
تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

برباد کر کے مجھ کو نہ ہوں منفعل حضور
میں آپ معترف ہوں کہ میرا قصور تھا

کہیں ہم اب کچھ ایسے شعر مرزا جن میں جدت ہو
کہاں تک حاشیے لکھا کریں غالبؔ کے دیواں پر

رشکؔ لکھنوی

نام : میر علی اوسط

ولادت : نامعلوم۔ رشک کی شادی ۱۸۱۴ء میں فیض آباد میں ہوئی۔

وفات : ۱۸۶۷ء کربلائے معلیٰ

استاد : شیخ ناسخؔ

ادبی آثار : تین دیوان۔ (۱) نظم مبارک (۲) نظم گرامی (۳) تیسرا دیوان غیر مطبوعہ ہے۔ ایک لغت بہ نام نفس اللغہ۔

رشک کا اندازِ بیان اثر انگیز ہے۔ اشعار میں آمد ہے لفظوں کے املا معنیٰ محل استعمال ہی نہیں بلکہ تلفظ پر بھی زور دیا ہے۔

نمونۂ کلام ؎

آیئے جب مزاج میں آئے
خانۂ دل حضور کا ہے گھر

سجدۂ شکر جفا پر کرنا
اس کو ہم لوگ وفا کہتے ہیں

لطف و کرم سے دیکھیو اے چشم عیب بیں
مجھ میں سوائے بے ہنری کچھ ہنر نہیں

رشیدؔ

(میر انیسؔ کے نواسے اور میر عشق و تعشق کے سگے بھتیجے)

نام : سید مرتضیٰ میرزا عرف پیارے صاحب لکھنوی

ولادت : ۱۷/ربیع الاول ۱۲۶۳ھ (لکھنؤ)

وفات : ۲۶/ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (لکھنؤ)

استاد : میر عشق

ادبی آثار : مراثی، غزلیات، رباعیات وقطعات وغیرہ۔

نمونہ کلام ؎

آپ سے ہم نہ کہیں حال تو پھر کس سے کہیں
آپ ہی ہم سے غریبوں کی خبر لیتے ہیں

ذکر وفا اسے جو ستم ایجاد آگیا
بھولے ہوئے تھے قصۂ غم یاد آگیا

خزاں جو آج نہیں ہے تو کل بہار نہیں
چمن کی عمر دو روزہ کا اعتبار نہیں

رندؔ لکھنوی

نام : سید محمد خاں ابن غیاث الدین خاں

ولادت : ۱۱/ربیع الاول ۱۲۱۲ھ مطابق ۲/ستمبر ۱۷۹۷ء فیض آباد

وفات : واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے انھیں کے دورِ حکومت میں رند نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

استاد : میر مستحسن خلیقؔ کی شاگردی میں وفاؔ تخلص اور آتشؔ کی شاگردی میں رندؔ تخلص اختیار کیا۔

ادبی آثار : (۱) دیوان گلدستۂ عشق ۱۸۵۲ء (۲) دیوان مطلع گلشن عشق ۱۸۶۷ء
شستگی زبان، خوبیٔ بندش، صفائی کلام و روانی طبع، محاورہ بندی آپ کے کے کلام کے جوہر خاص ہیں۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں۔

لطف فرمایا قدم رنجہ کیا شاد کیا
مہربان آپ کا احسان ہمارے سر پر

کیا ملا عرضِ مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

چشمِ عبرت سے ذرا سیر چمن کر غافل
مل گئے خاک میں لاکھوں گلِ رعنا کیسے

رنگینؔ دہلوی

نام : سعادت یار خاں
ولادت : ۱۱۷۰ھ سرہند میں پیدا ہوئے دہلی میں نشو و نما پائی
وفات : جمادی الثانی ۱۲۵۱ ہجری (لکھنؤ)
استاد : شاہ حاتم محمد میاں نثارؔ
ادبی آثار : (۱) دیوان ریختہ (۲) دیوان بیختہ (۳) آمیختہ (۴) دیوان آمیختہ مثنوی ایجاد رنگین، فرس نامہ، مجالسِ رنگین، مثنوی دل پذیر، رنگین نامہ، دیوان ہزلیات، دیوان ریختی

شعر یہ ہے ؎

کچھ مجھ کو گناہوں کا خطرہ نہیں محشر میں
چھوڑوں گی نہ میں دامن خاتون قیامت کا

رواںؔ

نام : بابو جگت موہن لال ابن چودھری منشی گنگا پرشاد

ولادت : ۱۴؍جنوری ۱۸۸۹ء

ادبی آثار : روحِ رواں، منظومات، غزلیات، متفرقات، قطعات، رباعیات۔

اندازِ بیان میں ندرت و تازگی، سلاست و روانی، درد و تاثیر، اخلاقیات یہ خوبیاں رواںؔ کے کلام میں نمایاں ہیں۔

اشعار یہ ہیں ؎

یہ کس خانہ براندازِ چمن کی آمد آمد ہے
نظر آتا ہے کچھ بدلا سا رنگِ بوستاں مجھ کو

کیا تم سے بتائیں عمر فانی کیا تھی
بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی

یہ گل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا
اک موجِ فنا تھی زندگانی کیا تھی

ریاضؔ خیرآبادی (پہلے آشفتہ تخلص کرتے تھے پھر ریاض تخلص اختیار کیا)

نام : سید ریاض احمد ابن سید طفیل احمد

ولادت : ۱۸۵۳ء (خیرآباد ضلع سیتاپور)

وفات : ۲۸؍جولائی ۱۹۳۴ء

استاد : سید مظفر علی اسیرؔ

ادبی آثار : غزل، نظم، مثنوی، سلام، سہرا، ترانہ رباعیات، قطعات، قصیدے، ہجویات، ریاض الاخبار، ماہنامہ گلکدہ ریاض، صلح گل، گلچیں پھر ہفتہ وار فتنہ وعطر فتنہ نکالا۔

جاندار تمثیلیں، برجستگی و بے ساختگی ان کے کلام کی خصوصیت ہے۔

کلام یہ ہے ؎

کچھ شوخیٔ رفتار میں بھی کم ہے قیامت
کچھ قد بھی نکلتا ہے بتِ شوخ ادا کا

شاید ریاض ہیں جو عصا ٹیکتے ہوئے
آئے ہیں میکدے میں ابھی خانقاہ سے

سالکؔ

نام : قربان علی ابن نواب امام مرزا بیگ

ولادت : حیدرآباد میں پیدا ہوئے دہلی میں پرورش پائی

وفات : ۱۲۹۱ھ بہ عمر ۶۵ سال

استاد : مومنؔ و غالبؔ (مومن کی شاگردی میں قربانؔ اور غالبؔ کی شاگردی میں سالکؔ تخلص اختیار کیا)

ادبی آثار : دیوان بنام ہنجار سالکؔ

نمونۂ کلام ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

سرورؔ

نام : رجب علی بیگ ابنِ مرزا اصغر علی بیگ

ولادت : ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء (اکبرآباد)

وفات : ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء (رام نگر، بنارس)

استاد آغا نوازش حسین متخلص بہ نوازشؔ

ادبی آثار : ۱۸۲۷ء سے ۱۸۵۱ء تک مختلف تصانیف شررِ عشق، شبستان سرورؔ،

گلزارِ سرورؔ، انشائے سرورؔ

نثر مقفیٰ کے زبردست ماہر، فسانہ عجائب ان کا شہ پارہ خیال کیا جاتا ہے۔

اشعار یہ ہیں ؎

سنا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہردم کوچہ ہائے لکھنؤ

سوزؔ

نام : ابن سید ضیاالدین

۱۱۶۸ھ میں فرخ آباد اور پھر ۱۱۹۱ ہجری میں لکھنؤ آ گئے

وفات : ۱۲۱۳ھ (لکھنؤ)

ادبی آثار : اردو دیوان، غزل، مثنوی، رباعی، مخمس

ستار نوازی، شہ سواری اور تیر اندازی میں ماہر تھے۔ خطِ نستعلیق اور شیفتہ لکھنے میں کامل تھے۔

سوزؔ کے اشعار یہ ہیں ؎

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

ہم کو نہ کچھ مال نہ زر چاہیے
لطف کی بس اک نظر چاہیے

شادؔ لکھنوی پیر و میر

نام : شیخ محمد جان ابن وارث علی

ولادت : ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۲۰ھ

استاد : میر کلو عرشؔ ابن میر تقی میرؔ

ادبی آثار : چار دیوان (۱) پہلا دیوان ۱۸۷۴ء (۲) سخن بے مثل (۳) سخن لامثال (۴) سخنِ بے مثال، ایک مثنوی چار درویش، غزل، قصائد، رباعیات، قطعات، تاریخ فارسی اور اردو، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ غزل میں میرؔ کا رنگ تھا، انھیں کے محاورات، اصطلاحات و روزمرہ کے پابند تھے۔

اشعار یہ ہیں ؎

عہد شباب صورتِ صرصر گذر گیا
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا

بتوں کے منھ سے سنا جو، اسے بجا سمجھے
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھے

قسمت تو دیکھو ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

شادؔ عظیم آبادی

نام : سید علی محمد ابن سید اظہار حسین

ولادت : ۱۹؍محرم ۱۲۶۲ھ مطابق ۸؍جنوری ۱۸۴۶ء محلہ پورب دروازہ عظیم آباد، پٹنہ

وفات : ۲۰؍رجب ۱۳۴۵ھ مطابق ۷؍جنوری ۱۹۲۷ء بہ عمر ۸۱ سال

استاد : شاہ الفت حسین فریادؔ

ادبی آثار : کلیات شاد، کلام شاد، میخانۂ الہام، بادۂ عرفان، کلام اور شرح کلام،

لمحات شادؔ، زبور عرفاں۔ زبان بامحاورہ آسان، تشبیہات، واستعارات، اسلوب بیان عام فہم سادہ ودلکش ہے۔اشعار ؎

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آجاؤ جوتم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

شعورؔ بلگرامی

نام : شیخ عبدالرؤف ابن شیخ حسن رضاء وبستی میاں
ولادت : ۱۲۱۴ھ یا ۱۲۱۵ھ لکھنؤ
وفات : ۱۸۶۰ء کاکوری میں دفن ہوئے
استاد : شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ
ادبی آثار : اردو دیوان

شعورؔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔اشعار میں برجستگی اورسادگی ہے۔اشعار یہ ہیں ؎

آپ کی وعدہ خلافی سے ہوا جی پھیکا
ہم کھٹائی میں پڑے رنگ نہ اچھا آیا

صیاد کس بلا میں تو نے ہمیں پھنسایا
اے کاش ذبح کرتا بے بال وپر نہ کرتا

شیفتہؔ (فارسی میں حسرتیؔ تخلص کیا کرتے تھے)

نام : نواب مصطفیٰ خاں

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 7002092-307-92+

ولادت : ۱۸۰۶ء (دہلی)

وفات : ۱۲۸۶ھ

استاد : مومنؔ

ادبی آثار : تذکرہ گلشن بے خار (جس میں حال سب شعرا کا فارسی میں اور شعر اردو میں ہیں) ۱۸۴۷ء میں ایک دیوان ترتیب دیا۔

کلام میں متانت، تہذیب اور سنجیدگی، شکوہ الفاظ اور چستیٔ ترکیب پائی جاتی ہے۔
ان کے شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

صفی لکھنوی

نام : مولانا علی نقی ولد سید فضل حسین

ولادت : ۳/جنوری ۱۸۶۲ء (مولوی گنج، لکھنؤ)

وفات : ۲۴/جون ۱۹۵۰ء غفرانماب کے امامباڑے کے قریب راجہ نواب علی کے مقبرے کے صحن میں تدفین ہوئی۔

استاد : علی میاں کامل

ادبی آثار : غزلوں کا مجموعہ، قومی نظموں کا مجموعہ، لختِ جگر، منظومات صفی، عمر خیام کی ۱۲۳۶ فارسی رباعیوں کا منظوم ترجمہ (رباعی کی شکل میں) نظم مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، سلام، نوحے، قطعات و رباعیات۔

نمونۂ کلام ؎

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

جا کے جب تازہ مزاروں پہ چراغاں کرنا
ایک ٹوٹی ہوئی تربت پہ بھی احساں کرنا

ہے لطف سخن اور، صفی، لطف زباں اور
ہر اہل سخن اہل زباں ہو نہیں سکتا

ظہیرؔ دہلوی

نام : ظہیرالدین ابن سید جلال الدین (بادشاہ ظفرؔ کے خوشنویسی میں استاد تھے) ولادت و وفات کا پتہ نہیں چلتا۔

استاد : شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

ادبی آثار : چار دیوان یادگار چھوڑے۔

ظہیرؔ کو ابتدا سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ کلام میں بجائے ذوقؔ کے مومنؔ کا رنگ اختیار کیا۔ ان کی شاعری کا مدار نزاکت خیال، فارسی تراکیب کی خوبی اور اسلوب بیان کی جدت پر مبنی ہے۔

ان کے اشعار یہ ہیں ؎

یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

اور تو دے لیں گے ہم سب کا جواب
لیکن ان کی گالیوں کا کیا جواب

قائم، چاند پوری

نام : قیام الدین عرف محمد قائم

وفات : ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء

استاد : محمد رفیع سوداؔ

ادبی آثار : مکمل دیوان، غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، ترکیب بند، تاریخ، ہجو، تذکرہ مخزن نکات۔

قائم کا کلام کیفیت سے خالی نہیں، خوش گفتار، موزوں طبع۔

اشعار یہ ہیں ؎

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

ٹوٹا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا

گویاؔ ملیح آبادی

نام : فقیر محمد خاں ابن محمد بلند خاں

ولادت : گویا کی ولادت بارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہوئی۔

وفات : ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء (مرزا گنج، ملیح آباد میں دفن ہوئے)

استاد : شیخ امام بخش ناسخؔ

ادبی آثار : بستان حکمت، غزل، نعت، سلام، مراثی، منقبت، قصائد۔

گویاؔ کے کلام میں زبان کی صفائی، سوز و گداز اور اثر آفرینی ہے۔

یہ اشعار گویاؔ کے ہیں ؎

وائے قسمت کب کیا صیاد نے قید قفس
جب خزاں جانے کو تھی فصلِ بہار آنے کو تھی

نشاں ہم بے نشانوں کا نہ پایا
صبا نے مدتوں تک خاک چھانی

ماچس لکھنوی

نام : مرزا احمد اقبال (رثائی ادب میں سوختہ تخلص کرتے تھے)

ولادت : ۱۹۲۲ء (لکھنؤ)

وفات : ۲۹/اگست ۱۹۷۰ء

آثار : ظریفانہ کلام

یہ اشعار ماچس کے ہیں ؎

ہے جنسِ محبت کا خریدار زمانہ
بازار میں لیکن ہے یہی مال ندارد

شیخ آئے جو محشر میں تو اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

معروف

نام : الٰہی بخش (فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر کے چھوٹے بھائی)

ولادت : نامعلوم

وفات : ۱۲۴۴ھ

آثار : صاحب دیوان شاعر ہیں۔

اشعار یہ ہیں ؎

پوچھا جواس سے کس طرح خاک میں مل گیا وہ شخص
نام مرا زمیں پر لکھ کے مٹا دیا کہ یوں

منیرؔ،شکوہ آبادی

نام : سیداسماعیل حسین
ولادت : غالباً ۱۲۲۰ھ (شکوہ آباد ضلع مین پوری)
استاد : شیخ امام بخش ناسخ
ادبی آثار : دواردو دیوان
یہ اشعار منیرؔ کے ہیں ؂

شاعروں میں گفتگو آئی کدورت کی بہم
صاف کہتا ہوں کہ اب رنگِ سخن میلا ہوا

کدھر کو ہوش و خرد جائیں بہر استقبال
نئی بلاؤں کی آمد جو چار سُو سے ہو

نصیرؔدہلوی

نام : شاہ نصیرالدین ابن شاہ غریب
وفات : ۱۲۵۴ھ (حیدرآباد)
استاد : نصیر شاہ محمد مائلؔ
آثار : ۱۲۱۴ ہجری میں حیدرآباد سے دیوان چھپا
شکوہ الفاظ اور چستی تراکیب بالکل سوداؔ کی طرح برتتے تھے، سنگلاخ زمینوں میں ان کے دوغزلے بہت مشہور ہوئے۔ نئی تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال کرتے تھے۔

یہ اشعار نصیرؔ کے ہیں ؂

دم غنیمت ہے کوئی دم کی یہ صحبت ہم نشیں
تجھ سے پھر ملنا خدا جانے ہمارا ہو نہ ہو

برقعے کو الٹ منھ سے جو کرتا ہے تو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

وزیر لکھنوی

نام : خواجہ محمد وزیر
وفات : ۱۸۵۲ء
استاد : ناسخ
آثار : وزیر کی وفات کے بعد ۱۸۵۴ء میں اردو دیوان حیدر آباد سے چھپا استاد ہی کا رنگ اختیار کیا۔ مضمون کی بلندی، خیال کی نزاکت، بیان کی متانت خوب ہے۔

وزیر کے اشعار یہ ہیں

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو

اسی خاطر تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہوکر

ہدایت

نام : ہدایت اللہ خاں (شاعر و طبیب)
وفات : ۱۲۱۵ھ
استاد : خواجہ میر درد، میر قدرت اللہ قائم ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔
آثار : بنارس کی تعریف میں ایک مثنوی، غزلوں کا ایک ضخیم دیوان، چھوٹا سا

دیوان ریختہ کا بھی ہے رباعیاں بھی لکھی ہیں۔

بیان عام فہم اور انداز پر اثر ہے۔ اشعار یہ ہیں ؎

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

تو نے گر قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم

ہوسؔ

نام : مرزا محمد تقی خاں ابن نواب مرزا علی خاں

وفات : ۱۸۳۵ء کا اوائل، ہوسؔ نواب آصف الدولہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔

استاد : میر حسنؔ

ادبی آثار : مثنوی لیلیٰ و مجنوں، مثنوی گل وصنوبر پری، دیوان مع قصائد ضخیم کلیات جو جمیع اصناف سخن پر مشتمل ہے۔

ان کے اشعار سادہ اور عام فہم ہیں، دلکشی و لطافت، چستی بندش، تشبیہات و استعارات میں ہوسؔ کا کلام اپنی مثال آپ ہے۔

یہ اشعار ان کے ہیں ؎

شرم کی اوٹ میں سب کام بنا جاتا تھا
ذوقِ بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

یاسؔ ویگانہ عظیم آبادی

نام : مرزا واجد حسین چنگیزی

ولادت : ۱۷ / ذی الحجہ ۱۳۰۱ ہجری مطابق ۱۷ / ۱۰ / اکتوبر ۱۸۸۴ء
مغل پورہ عظیم آباد

ادبی آثار : (۱) دیوان نشترِ یاس (۲) چراغِ سخن (رسالہ عروض و قوافی)
(۳) شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیزؔ (۴) ترانہ (رباعیاں)
(۵) غالب شکن (مکتوب یگانہ بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب)
(۶) آیاتِ وجدانی (۷) گنجینہ۔

یگانہؔ کے اشعار یہ ہیں ؎

مزارِ یاس پہ کرتے ہیں شکر کے سجدے
دعائے خیر تو کیا اہلِ لکھنؤ کرتے

کارگاہِ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات تو یہ بھی لکھتا چلوں کہ اوپر جن شعراء کا ذکر میں نے کیا ہے ان کے سوا بھی ایسے کم معروف شعرا ہیں جن کا حال مجھے دستیاب نہ ہونے کے باعث ان کے ذکر سے محروم رہا لیکن محرومی کا احساس از خود ختم ہو گیا جب فارسی کا یہ شعر ؎

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

نظر سے گزرا۔

بقول حسرتؔ ،شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ سنتے ہی دل میں جو

اتر جائیں ،موسیقی، مصوری، یہ سب دل پر اثر انداز ہوتی ہیں لیکن شاعری کی اثر انگیزی کی حد سب سے زیادہ وسیع ہے۔ ایک عمدہ شعر میں بہت سی باتیں جسے وزن، محاکات، خیال بندی، سادہ وشیریں الفاظ طرزِ ادا میں جدت وغیرہ ہوتی ہیں۔ شعر کا نمایاں وصف جذبات انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے یعنی اس کو سنکر دل میں رنج، خوشی یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے اور یہی خصوصیت شاعری کو دوسری چیزوں سے زیادہ ممتاز کرتی ہے۔

زیر نظر کتاب اس امید کے ساتھ پیشِ ناظرین ہے کہ پسند آئے تو دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

سید شمیم حسین

BAIG RAJ +92 307-7002092

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
3،2،1 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - 7002092-307-92+

آتش، خواجہ حیدر علی لکھنوی

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتشؔ غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

لگے منھ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتشؔ کی غزل مجذوب کی بڑ کا

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتشؔ مرصع ساز کا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتشؔ جواں تھا

اس بلائے جاں سے آتش دیکھئے کیونکر بنے
دل مرا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجھ کو
جو نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے دِکھایا مجھ کو

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب
بس ہو چکی نماز مصلّے اٹھایئے

غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجیے

نہ پوچھ عالم برگشتہ طالعی آتشؔ
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

بدنام محبت نے تری ہم کو کیا تھا
رسوائے سرِ کوچہ و بازار ہمیں تھے

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

آرزوؔ، سید انور حسین لکھنوی

بے مروت سے دل لگانا کیا
آزمائے کو آزمانا کیا

جلوہ ہے فریب نظر اس دارِ فنا کا
اول وہی آخر وہی اک نام خدا کا

دامن کو چھوڑتی ہی نہیں خاک لکھنؤ
مٹنا ہے آرزوؔ اسی اجڑے دیار میں

قتال جہاں معشوق جو تھے، سونے ہیں پڑے مرقد ان کے
یا مرنے والے لاکھوں تھے یا رونے والا کوئی نہیں

آرام کے ساتھی تھے کیا کیا جب وقت پڑا تھا کوئی نہیں
سب دوست ہیں اپنے مطلب کے دنیا میں کسی کا کوئی نہیں

بھولے بن کر حال نہ پوچھو، بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بے چینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو

وحشت ہم اپنی بعدِ فنا چھوڑ جائیں گے
اب تم پھرو گے چاک گریباں کیے ہوئے

جوشِ جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا
بند اپنے ہاتھ سے درِ زنداں کیے ہوئے

جانتے تھے دے کے دل قابو میں ان کو لائیں گے
یہ نہ تھا معلوم اس سودے میں خود بک جائیں گے

ہر داغ دل ہے مشہد صد خیل آرزو
کعبے میں آرہی ہے نظر کربلا مجھے

آرزو تازے نہ ہوں گے پھر سے اگلے ارتباط
وہ زمانہ اور کچھ تھا یہ زمانہ اور ہے

اے آرزو اپنے مرنے سے بازار محبت سرد ہوا
تھی جس کی نہایت ارزانی اس جنس کی اب نایابی ہے

ملا کے آنکھ سمجھ لو نہ مدعا پوچھو
وہی ہے دل میں جو حسرت مری نگاہ میں ہے

آرزو اپنے کیے کو بھگتو
اب پچھتائے سے ہوتا کیا ہے

مصر تک کنعاں سے پہنچا حسنِ یوسف کا چراغ
جنس اچھی ہو تو ہر جا گرمیٔ بازار ہے

غم سے دم بھر مفر نہیں ہوتی
عمر یوں تو بسر نہیں ہوتی

تا عہد جوانی تھم ناداں بے وقت کمر کیوں کستا ہے
ہستی سے عدم کے ڈانڈے تک اک رات بسے کا رستہ ہے

آصف، آصف الدولہ بہادر

یہ نہ آنے کے بہانے ہیں سبھی ورنہ میاں
اتنا تو گھر سے مرے کچھ نہیں گھر دور ترا

گلی میں بتوں کی شب و روز آصف
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

قصے کو نہ پوچھو میرے ہرگز
یارا ہی نہیں دل و زباں کو

ملنے کو تجھ سے دل تو مرا بے قرار ہے
تو آکے مل نہ مل یہ ترا اختیار ہے

آصفؔ نہ چھوڑ دست سخاوت کو زینہار
لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جاوے گا تو لیے

اثرؔ، مرزا جعفر علی خاں لکھنوی

ترے خرام ناز سے وہ بھی نہیں بعید
فتنہ جو چرخ پیر سے اب تک اٹھا نہ تھا

شامل حسن جو رنگینیٔ بیداد نہ ہو
ایسی دلچسپ کبھی عشق کی روداد نہ ہو

تپش دل جو بڑھی ہوش کا پردہ سر کا
بے خودی میں نظر آئی تری تصویر مجھے

احسنؔ مارہروی

کوئی دیکھے یہ تماشائے تکلف کب تک
ہو چکا پردہ بس اب آؤ ادھر دیکھ لیا

اخترؔ شیرانی لاہوری

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں خوش رہیں مسکرا دیں

اخترؔ، سلطان عالم واجد علی شاہ

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

ادیبؔ، سید مسعود حسن رضوی

اپنی تدبیروں پہ اے غافل نظر تو نے نہ کی
ورنہ پڑھ لینا خطِ تقدیر کچھ مشکل نہ تھا

کچھ عجب حالت ہے راہِ منزلِ مقصود کی
جتنا جتنا میں بڑھا میرا سفر بڑھتا گیا

پھر ظلم پہ مائل ہیں تو اتنا بھی سمجھ لیں
باقی ہے مری آہ میں تاثیر ابھی تک

پاؤں میں ہوتی ہے بیڑی کی گرانی محسوس
دھیان جب یہ نہیں رہتا کہ اب آزاد ہوں میں

کیا کہوں دیوانگئ عشق کی رسوائیاں
زلف کے پابند بھی باندھے گئے زنجیر میں

اسیرؔ، سید مظفر علی

نامِ علی ہو وردِ زباں وقتِ نزع بھی
ہو خاتمہ بخیر الٰہی اسیرؔ کا

نزع کے دم مرتضیٰ آئے اسیرؔ
خاتمہ بالخیر اب ہو جائے گا

عشاق کی قبروں پہ نہ یوں ناز سے چلیے
سوتے ہوئے فتنوں کو جگانا نہیں اچھا

ہر ایک سے یوں ربط بڑھانا نہیں اچھا
مانو مرا کہنا یہ زمانہ نہیں اچھا

ذرا سی بات میں ہوتے ہیں اپنے بیگانے
بڑا کمال ہے اپنا کسی کو کر لینا

شاہ زمانہ، مہدیؑ ہادی، امام عصر
نزدیک ہے جوان کے وہ ہے ذوالمنن کے پاس

قائل حیدر کرار نہیں ہے جو اسیرؔ
اس کا ایماں ہے غلط اس کا ہے اسلام غلط

ایک دل کیا ہے کہ سو جان سے قربان ہوں میں
تم یقیں میری محبت کا کرو یا نہ کرو

مل جائے سزا دو نہ پھر آزار کسی کو
اللہ کرے تم بھی کرو پیار کسی سے

خدا دراز کرے عمر تیغ قاتل کی
کہ سب سے بڑھ کے ہمارا خیال رکھتی ہے

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز کس کی ہے
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی

بجائے سرمہ لگاؤں اسیرؔ آنکھوں میں
جو مجھ کو خاکِ درِ ابنِ بو تراب ملے

اشفاقؔ، اشفاق اللہ خاں

بہار آئی ہے شورش ہے جنون فتنہ ساماں کی
الٰہی خیر رکھنا تو مرے جیب و گریباں کی

زمیں دشمن زماں دشمن جو اپنے تھے پرائے ہیں
سنو گے داستاں کیا تم مرے حالِ پریشاں کی

افتخار عارف

حریم لفظ میں کس درجہ بے ادب نکلا
جسے نجیب سمجھتے تھے کم نسب نکلا

شکم کی آگ لیے پھر رہی ہے شہر بہ شہر
سگِ زمانہ ہیں، ہم کیا ہماری ہجرت کیا

بس اک یہی راستہ ہے دنیا کو زیر کرنے کا جیتنے کا
یہ جتنی پر پیچ ہوتی جائے اسی قدر سہل و سادہ ہو جا

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں
عجیب رسم چلی ہے دعا نہ مانگے کوئی

روز اک تازہ قصیدہ نئی تشبیب کے ساتھ
رزق برحق ہے یہ خدمت نہیں ہوگی ہم سے

زندگی نذر گذاری تو ملی چادرِ خاک
اس سے کم پر تو یہ خلعت نہیں ملنے والی

اقبال، سر محمد

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادرِ زہرا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

مے خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہہ محراب

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تنگ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کا شانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل! (رِندؔ)

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا داراوجم

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

منہ سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تری رضا کیا ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

نہیں ہو ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

• اکبر، سید اکبر حسین الہ آبادی

سید اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لے آئے
شیخ قرآن دکھاتا پھرا پیسہ نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اس کو نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا

تہہ کرو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائے گا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

دختر رز نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
خیریت گذری کے انگور کے بٹیا نہ ہوا

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
شاعر کم ہیں ملیں گے صیاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبرؔ
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ
تو استعفیٰ مرا باحسرت و یاس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ
مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس

کیا جانیے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

جو منھ دکھائی کی رسموں پہ ہے مُصرِ ابلیس
چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک

دل کشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبرؔ
دل میں جو آئے کہہ گذرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

ہم کو سائے پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار
مس پہ ہے اپنی نظر اور سیم ان کے ہاتھ میں

نہ پوچھ اے ہم نشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے! اک خواب تھا دیکھا جوانی میں

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے
الجھوں کسی دامن سے وہ میں خار نہیں ہوں

قوم کے غم میں ڈنر کھاتا ہے حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہیں مگر آرام کے ساتھ

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں ڈالا چوری تو نہیں کی ہے

سورج میں لگے دھبا، فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑا دے مجھ کو یا رب نوکری کے سخت پھندوں سے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
خیر، چندہ لیجیے، طومار رہنے دیجیے

گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اس کا
''پائنیر'' لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

شیعہ و سنی میں جنگ دھوم دھامی ہوگئی
چار یار و پنجتن کی نیک نامی ہوگئی

امید ٹوٹی ہوئی ہے میری، جو دل مرا تھا وہ مر چکا ہے
جو زندگانی کو تلخ کردے وہ وقت مجھ پر گذر چکا ہے

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہوگئی
لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہوگئی

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو، بُھلائی ہیں سب نے اگلی رسمیں
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ، نہ گیارہویں ہے نہ اشٹمی ہے

تیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

نگاہِ ناز بتاں پر نثار دل کو کیا
زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کر لی

تھے معزز شخص لیکن ان کی لائف کیا لکھوں
گفتنی درجِ گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

امانتؔ سید آغا حسن

بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم اپنا
قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیاد کیا کیجے

ہے عشق کا دریا بہ سر جوش امانتؔ
عالم میں رکھے آبرو اللہ تمہاری

جھگڑا چکائے لیتے ہیں آج اپنا غیر سے
یا ہم رہیں زمانے میں یا مدعی رہے

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروج پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

امیرؔ، امیر احمد مینائی

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

پنہاں نہیں ہے مرتبہ قرآن و آل کا
وہ حجت خدا ہے یہ حجت رسول کی

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

انجامؔ، امیر خاں

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

نغش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

انشاؔ، انشاء اللہ خاں

انشاؔ سوائے اپنے اللہ، اس جہاں میں
ہے کون کھونے والا اس دل کی بے کلی کا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بہ روز عید قرباں
وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

پہنچی وہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش
اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشآء
غنیمت ہے کہ ہم صحبت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

جو ہم کو چاہے اس کا خدا نت بھلا کرے
دودھوں نہائے اور وہ پوتوں پھلا کرے

انیسؔ، میر ببر علی

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن، آج نیا دور ہوا
بس یاں سے کہیں اور چلو جلد انیسؔ
اب یہاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

قافلہ منزل پہ جا پہنچا انیسؔ
بے خبر اب تک تو سوتا ہی رہا

ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیسؔ
انقلاب فلک پیر مکرر دیکھا

سبک ہو چلی تھی ترازوے شعر
مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

سوؤ گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو
اب اپنی قبر بھی اے خانماں خراب بنا

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

سب منزل جہاں میں مسافر عدم کے ہیں
سب کا وطن ہے ایک مگر گھر جدا جدا

کڑی ہے قبر کی منزل مسافرو ہشیار
کھلے گا حال یہ جب ہوگی روح تن سے جدا

لحد میں سامنے جب دفتر حساب آیا
گناہ دیکھ کے کیا کیا مجھے حجاب آیا

کوئی بھی ہوتا ہے پیری میں اس طرح غافل
اٹھو انیسؔ اٹھو سر پہ آفتاب آیا

شست و شو سے گو ہوا اجلا رذیل
جامۂ اصلی پہ دھبا رہ گیا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیس اٹھو، قافلہ روانہ ہوا

مری قدر کر اے زمینِ سخن
تجھے بات میں آسماں کر دیا

نواسنجیوں نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلب آب! اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عمل نیک انیسؔ
اس پہ انسان کو ہے خواہش دنیا کیا کیا

چاہ پیاسے تک نہیں آتا کبھی
دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر

اہل دنیا سے نہیں مطلب انیسؔ
یاں توکل ہے فقط اللہ پر

تخت سلطانی سے بالاتر ہے اس کا بوریا
صاحب مسند ہے تکیہ ہے جسے اللہ پر

غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

ضبط گریہ ماتم سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

نظم ہے یا گوہر شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں
یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں

لبریز ہیں یہ ساغر استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن
وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

بے رنج ہیں خفتگان مرقد
کیسی راحت سے سو رہے ہیں

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سب جہاں رکھتے ہیں سر ہم واں قدم رکھتے نہیں

گندم گندم سے جو سے جو ہے
کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں

ذہن سلیم اپنے کرم سے عطا کرو
یا مرتضیٰ علی مری حاجت روا کرو

آتا ہے وہ بھلا کبھی سائے میں بوم کے
پایا ہو جس نے اوجِ سعادت ہما کے ساتھ

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوے ختن کیا جانے

فصل پیری میں ہوس دنیا کی! توبہ کر انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

عالم پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

خدا کی راہ کے سودے ہیں لب کو بند نہ کر
بڑی ہے خیر اگر کام کچھ زباں سے چلے

آبرو و مال و فرزندان صالح عزو جاہ
کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لیے

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

انساں کو چاہیے کہ خیال قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسول خدا رہے

لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

زندگی میں تو کیا اک دن نہ خوش ہنس بول کے
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لیے

خاک کو ہے خاک سے نسبت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لیے

سرِ حُر گود میں شبیر کی اللہ اللہ
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

ملا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

قناعت و گہر آبرو و دولت دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

بھاگا طناب کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسی دراز ہے

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دے دے
فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

برقؔ، مرزا محمد رضا لکھنوی

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں تجھے عاشق ترا پکار آیا

گر قناعت سے آشنا ہوتا
جامِ جم کاسۂ گدا ہوتا

فروغ رتبۂ عالی جہاں میں خاکساری ہے
یہ لازم ہے زمیں بن جائے انساں آسماں ہو کر

قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو
دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو

اے صنم وصل کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

دنیا میں بات کرنے کی مہلت کسے ملی
ہستی سے تاعدم سخن ناتمام ہے

آنکھیں دکھا کے مست زمانے کو کر دیا
تو نے بنائے ہستئ عالم خراب کی

شکوہ میں نے جو کیا جاے شکایت نہیں یہ
جس سے ہوتی ہے امید اس سے گلہ ہوتا ہے

برقؔ، منشی جوالا پرشاد سیتاپوری

اغیار کا کچھ پاس وہ کر جائے تو کیا ہو
دل لے مرا اور لے کے مکر جائے تو کیا ہو

بسمل، بانکے لال

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

بسمل، رام پرشاد

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوے قاتل میں ہے

وقت آنے پر بتا دیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے

بیخود، سید محمد احمد

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے کبھی سر رکھ دیا خاکِ نشیمن پر

شرم گنہ سے جانب دوزخ چلا تو میں
رحمت پکار اٹھی ارے ظالم کہاں کہاں

دنیا کے کمال حد سے بڑھ کر
تمہید زوال بن گئے ہیں

چمن کا بوٹا بوٹا بجلیوں نے خاک کر ڈالا
یہ طوفاں، ہم تو سمجھے تھے، ہمارے آشیاں تک ہے

پروین شاکر

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

تاباںؔ مہتاب رائے

شعلہ بھڑک اٹھا مرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تسکینؔ، میر حسن

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخیِ نقشِ پاکی

تسلیمؔ، امیراللہ

غم نہیں روے اجل مر کے اگر دیکھ لیا
غم تو یہ ہے ملک الموت نے گھر دیکھ لیا

تشنہ لب تسلیمؔ ہے سیراب کردیں یاحسین
کیجیے میری سفارش ساقیٔ کوثر سے آپ

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، بالیں اداس
جی بھر آیا عالمِ گورِ غریباں دیکھ کر

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتادو تمہیں چاہیں کیوں کر

ہنستے ہیں گل بھی دیکھ کے اپنی خبر نہیں
گویا چمن میں چاک گریباں ہمیں تو ہیں

تعشق، میرزا

نالوں نے کیا سینۂ صد چاک قفس کو
دل ہو نہ کہیں مرغ گرفتار کسی کا

تھا کبھی دور اسیران قفس اے صیاد
اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا

لیں دم اس منزل میں اب یہ حوصلہ جاتا رہا
جس کے ساتھ آئے تھے ہم وہ قافلہ جاتا رہا

کاش یہ جمشید کو معلوم ہوتا جام میں
کاسۂ سر کاسۂ دست گدا ہو جائے گا

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہو جائے گا
ہم جہاں ہوں گے وہ گھر ماتم سرا ہو جائے گا

کیوں جوانوں کی مٹاتا ہے جوانی ظالم
غم سے فرصت ہو تو پوچھیں فلک پیر سے ہم

جتنے ہیں اہل حسن وہ عالی دماغ ہیں
بستی یہ وہ ہے جس میں فلک ہے زمیں نہیں

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب
پئے طواف بگولے ہزار بار آئے

کوے جاناں سے صدا آتی نہیں نالوں کی آج
کیوں صبا کیسی طبیعت ہے دلِ ناشاد کی

کبھی نہ ہوش میں ہم اے خیال یار آئے
کسی کے در پہ گئے جب اسے پکار آئے

دل سوزاں نہ ہو سینے میں دھواں لازم ہے
کچھ تو اجڑی ہوئی بستی کا نشاں لازم ہے

حسن ہو یا عشق ہو تقدیر اچھی چاہیے
قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ کو شہرت ہوگئی

وحشت سرائے دہر میں آیا نہ پھر کوئی
ایسے گئے یہاں سے مسافر ڈرے ہوئے

اے تعشق چار دن ہے زندگی
دشمنوں سے بھی محبت کیجیے

دور جانا ہے کہ ہے قصد عدم
مہرباں اب ہم کو رخصت کیجیے

ثاقبؔ، ذاکر حسین قزلباش

کہنے کو مشتِ پر کی اسیری تو تھی مگر
خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا

دلِ ناداں کبھی ناکامیاں بھی کام آتی ہیں
جدھر سے کچھ نہیں ملتا ادھر بھی اک صدا دینا

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

کوئی نقش اور کوئی دیوار سمجھا
زمانہ ہوا مجھ کو چپ رہتے رہتے

تماشا چشم دل سے اہل عرفاں دیکھ ہی لیں گے
کسی پردے میں ہو، تصویر جاناں دیکھ ہی لیں گے

دعائیں دیں مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل کے

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

جانؔ صاحب، میر یار علی لکھنوی

غیر کیسے حال اپنوں کا یہ ہے اَب آشکار
ایک بھائی کو ہے فاقہ، ایک کرتا زہر مار

غیر کیا مفلسی میں خاک تجھے پہچانے
جان ہو کر ہو گئے اے جانؔ جب انجان عزیز

ملک الموت کا ہے یہ موا چھوٹا بھائی
جانؔ ہاں، موت کے بازار کا مختار ہے عشق

یہ زر ہے دوست بھی اے جانؔ ہے یہی دشمن
بچاتا جاں بھی ہے کرتا بھی ہے یہ مال ہلاک

جرأت شیخ قلندر بخش

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے و لیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جذبیؔ، معین احسن

جب کبھی کسی گل پر اک ذرا نکھار آیا
کم نگاہ یہ سمجھے موسم بہار آیا

یہاں ہے حفظ کتب پر مدارِ فضل و کمال
یہاں رسائیِ فکر و نظر کی قیمت کیا

یہ پوچھنا ہے ساقیٔ مہ وش کے فیض سے
رِندان تشنہ کام و تہی جام کیا کریں

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

یہ سوچتے ہوئے طوفاں میں ڈال دی کشتی
کہ پھر اشارۂ ساحل رہے، رہے نہ رہے

جگر، علی سکندر مرادآبادی

ہائے یہ حسن تصور کا فریبِ رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جان بہار آ ہی گیا

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ وگل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

ہیں تو دیوانۂ بہار بہت
کوئی شائستۂ بہار نہیں

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لیے تیار ہو جائے

ہاں جذبۂ غم عشق کی تاثیر دکھا دے
مجبور نہ بن حسن کو مجبور بنا دے

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اک مسیحا نفس کی بات گئی

جلال، سید ضامن علی لکھنوی

ہم کو ستم و جور کے لائق تو وہ سمجھیں
اچھا نہ سہی لطف و عنایات کے قابل

جلال اپنی تمنائیں تھیں جتنی
وہ سب بر آئیں ترک مدعا میں

تمہارے حلقہ بگوشوں میں ہم بھی داخل ہیں
پڑا رہے یہ سخن کان میں گہر کی طرح

جلالؔ صاحب دولت کرے خدا جس کو
جھکے ہر ایک سے وہ نخل بارور کی طرح

شکر اس کا ہے نہ منت کش تاثیر ہوئے
مجھ کو نالوں سے نہیں بے اثری کا شکوہ

بت پرستی بھی خدا ہی کی پرستش ہے جلالؔ
ہم کو کافر نہ کہیں گے جو مسلماں ہوں گے

شب کو مے خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

جلیلؔ مانک پوری

جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گذارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

قاصد پیام شوق کو دینا بہت نہ طول
کہنا فقط یہ ان سے کہ آنکھیں ترس گئیں

جوشؔ شبیر حسن خاں ملیح آبادی

کوئی حد ہی نہیں اس احترامِ آدمیت کی
بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوشؔ سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

جوہرؔ، لالہ مادھو رام کانپوری

اب عطر بھی ملیں تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

وہ بے خطا ہیں ان سے شکایت ہی کس لیے
جوہر یہ سب قصور ہے اپنے نصیب کا

بھانپ ہی لیں گے اشارہ سرِ محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

یوں تو منھ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کے
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

کیا ہنستے ہو میرے رونے پر تم
دل کا آنا بری بلا ہے

ریختہ کتب مرکز بیگ راج
1،2،3 اور برائے خواتین
اُردو ڈیجیٹل لائبریری (بیگ راج)
بیگ راج: - +92-307-7002092

جوہرؔ، محمد علی رامپوری

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ٹھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا

روزِ ازل سے ہے یہی اک مقصد حیات
جائے گا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

ہم تک جو دور جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

تو شوق سے کر ظلم نہ ڈر قحط وفا سے
سستی ہے ترے واسطے یہ جنسِ گراں تک

شکر حق ہے کہ ابھی حق کی حمایت کے لیے
جان دینے کو ہیں موجود غلامانِ حسینؑ

گر شہادت کہیں جوہرؔ تجھے مل جائے تو پھر
رہے کوثر پہ بھی وابستۂ دامانِ حسین

حق و باطل کی ہے پیکار ہمیشہ جاری
جو نہ باطل سے دبیں ہیں وہی شیعانِ حسین

تشنہ کاموں سے ہے خود آج یہ ساقی کو گلہ
ہم تو دیں پر کوئی اس مے کا طلبگار بھی ہو

ہو حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا
ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہ رسا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیر زمانے کی ہوا دیکھ

ذرا دم لے صبا پھر سیر گل دل کھول کے کرنا
ابھی یہ عندلیبِ کم سخن کچھ اور کہتی ہے

ہے ظلم بہت عام ترا پھر بھی ستمگر
مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لیے ہے

جانے کو یوں تو جاتی ہے تو عرش تک مگر
حاصل کچھ اس سے آہ رسا ہو تو جانیے

کہہ لینے دو دل کھول کے ناصح کو نہ ٹوکو
کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے

آئی نہ ہو زنداں میں خبر موسمِ گل کی
سنتا تو ذرا شور عنا دل تو نہیں ہے

ہوں جو کثرت ہی کے قائل ان پہ کیا
رازِ فتحِ سبطِ پیغمبر کھلے

خود خضر کو شبیر کی اس تشنہ لبی سے
معلوم ہوا آب بقا اور ہی کچھ ہے

دے نقد جاں تو بادۂ کوثر ابھی ملے
ساقی کو کیا پڑی ہے کہ یہ مے ادھار دے

ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھیے کب تک رہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

ہم عیش دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن
ایمائے شہ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے

چکبستؔ۔ پنڈت برج نرائن لکھنوی

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

حاتمؔ، شاہ

حاتمؔ جہاں کو جان کے فانی، خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی جو ہے ہوس

نہ ہو ایسا الٰہی دشمنوں کے بھی نصیبوں میں
کہ جیسا ہم نے کھینچا آن کر آزار دنیا میں

نہ میں سنّی نہ شیعہ نے کافر
ایک لعن یزید کرتا ہوں

کیا ہوا تجھ کو تو اب جینے سے اکتایا ہے کیوں
دم غنیمت جان حاتمؔ زندگانی پھر کہاں

کعبے میں جس کو ڈھونڈنے جاتا ہے شیخ تو
سو تو تری بغل میں ہے اندھے، وہاں کہاں

اک دل ہے اور بتاں ہیں ہزاروں جہاں کے بیچ
حاتمؔ میں ایک دل کو لگاؤں کہاں کہاں

ہم تو ہیں آشنا ترے ظالم
تو اگر آشنا نہیں تو نہ ہو

ہم تو تیری وفا کے بندے ہیں
تجھ میں رسم وفا نہیں تو نہ ہو

اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے
سب چھوڑ ہم کو غم میں نہ جانے کدھر گئے

جس کو تیرا خیال ہوتا ہے
اس کو جینا محال ہوتا ہے

ہمیں پوچھو تو ہستی اور عدم میں کیا تفاوت ہے
جو آیا اور کوئی اس بزم میں ٹک ہم سرک بیٹھے

حالیؔ، خواجہ الطاف حسین پانی پتی

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا
چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا

جھگڑوں میں اہل دیں کے نہ حالیؔ پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

تقلید قوم ہی پر گر ہے مدار تحسیں
تو ہم نے دوستوں کی تحسیں سے ہاتھ اٹھایا

جوانی میں تھی کج رائی بہت
جوانی ہم کو یاد آئی بہت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آئے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالؔی نے دکاں سب سے الگ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط، مگر اس قدر کہاں

بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی
وقت کوتاہ قصہ طولانی

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرس کارواں رہے

خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
باپ دادا کی بڑائی ہو چکی

حسرتؔ، سید فضل الحسن موہانی

کیا ہوا حسرتؔ وہ تیرا ادعائے ضبط غم
دو ہی دن میں رنج فرقت کا گلہ جاتا رہا

گذرے بہت استاد مگر رنگِ اثر میں
بے مثل ہے حسرتؔ سخنِ میر ابھی تک

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

تمہیں غیروں سے کم فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

خوشنودیٔ فجّار کے پیرو ہیں یزیدی
تقلید شہِ کرب و بلا میرے لیے ہے

دام گیسو میں ترے اک دل ناشاد بھی ہے
اے مرے بھولنے والے تجھے کچھ یاد بھی ہے

عشق میں خوفِ جاں سے در گذرے
ہم نے ٹھانی جو دل میں کر گذرے

پھلا پھولا رہے گلزار یا رب حسن خوباں کا
مجھے اس باغ کے ہر پھول سے خوشبوے یار آئی

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

حفیظؔ، محمد علی جونپوری

ہائے رے سادگی محبت کی
آ گئے پھر کسی کی چال میں ہم

آج مل بیٹھنا غنیمت جان
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

جو دل ہے صاف تو بے جا مرا سوال نہیں
اٹھو گلے سے لگا لو اگر ملال نہیں

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

ہوئے عشق میں امتحاں کیسے کیسے
پڑے مرحلے درمیاں کیسے کیسے

جان جائے نہ جائے آن حفیظؔ
پھر رہا کیا جب آبرو نہ رہی

حیرتؔ، محمد جان الہ آبادی

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

مرقد سے میرے اٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے وہ خاک کسی ناتواں کی ہے

ہے وہی دشمن جاں خیر نہیں اے حیرتؔ
جس کا شہرہ ہے زمانے میں مسیحائی کا

داغؔ، نواب مرزا خاں دہلوی

غضب کیا ترے وعدے پر اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

ہوش وحواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

لیجیے سنیے اب افسانہ فرقت مجھ سے
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

بے مانگے دردِ عشق و غم جاں گزا دیا
سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا

یوں ہوگئی نجات یہ تدبیر بن پڑی
ناصح کو ہم نے غیر کے پیچھے لگا دیا

ہم سناتے جو کوئی درد ہمارا سنتا
دل دکھاتے جو کوئی دیکھنے والا ہوتا

اے زمزمہ پردازِ چمن نالہ ہمارا
وہ مرغ نہ سمجھے جو تہہ دام نہ آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بدنام تو عبث مجھے کرتا ہے ناصحا
مدت ہوئی بتوں سے سروکار اٹھ گیا

لے چلا جان مری روٹھ کے جانا تیرا
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا

تو وعدہ کر کے مجھ سے مری جان پھر گیا
حق سے پھرا جو قول سے انسان پھر گیا

جھکی ذرا چشم جنگ جو بھی، نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر
تو مجھے چھوڑ چلا اے دل ناداں کس پر

قول و قسم کی شرط ملاقات کا لحاظ
انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں
باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں

کعبے والوں نے تو اے داغؔ دیا صاف جواب
اہل بت خانہ ہمیں دیکھیے کیا دیتے ہیں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

سب لوگ جدھر وہ ہیں ادھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

جو گذرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

رہ روِ راہ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغؔ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں
وہ ایک ہی تو شخص ہے تم جانتے نہیں

ہزار کام مزے کے ہیں داغؔ الفت میں
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغؔ ہے، وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

دنیا میں وضع دار حسیں اور بھی تو ہیں
معشوق اک تمھیں تو نہیں اور بھی تو ہیں

ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھنٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

اڑ گئی یوں وفا زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

رات دن نامہ و پیغام کہاں تک ہوں گے
صاف کہہ دیجیے ملنا ہمیں منظور نہیں

یہ دل ہے، یہ حسرت، یہ ارمان ہے
مری جان حاضر میں حجت نہیں

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک
وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

ہم بھی دیکھیں کہ کہاں تک نہ توجہ ہوگی
کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہیے
تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیے

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

فسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا
گذرنی جو ہوگی گذر جائے گی

حضرت داغؔ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

میں نے جو آہ کی تو کہا اس نے غیر سے
اس خانماں خراب نے رسوا کیا مجھے

منزل عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

کیا کرے دیکھیے ہر روز کا آنا جانا
کہ جہاں شام ہوئی اور وہ مہمان گئے

ارشاد ہوا ہے کہ تجھے قتل کریں گے
پر یہ بھی ہے تاکید کہ کہنا نہ کسی سے

ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جو ان کو برتے وہ ان کو جانے
تمہیں کو ہم بے وفا کہیں گے تمہیں سے ہم التجا کریں گے

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی
کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی

روح کس مست کی پیاسی گئی مے خانے سے
مے اڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم، تم سے تو، ہونے لگی

دردؔ، خواجہ میر دہلوی

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کے دیکھا جو سنا افسانہ تھا

جان سے ہوگئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

بے وفائی پہ اس کی دل مت جا
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

جی کی جی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

دل بھی تیرا ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

ذوقؔ، شیخ محمد ابراہیم دہلوی

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا

آشیاں باغ میں ڈھونڈھا جو قفس سے جا کر
ایک تنکا بھی نہ تھا بادِ صبا نے رکھا

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

کسی بے کس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

اے گل رخو نہ چھیڑنا دامن سحاب کا
دیکھو چھلک رہا ہے کٹورا گلاب کا

آنا ہے گر تو آؤ کہ سینے سے چل کے اب
آنکھوں میں آ کے ٹھہرا ہے دم انتظار کا

محبت اہل بیت مصطفی کی نور برحق ہے
کہ روشن ہو گیا دل مثل قندیلِ حرم میرا

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوقؔ پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر

وقتِ پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

کیا کیا مصیبتیں ہیں دلِ پر محن کے ساتھ
اک زخم تازہ روز ہے زخم کہن کے ساتھ

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے دور
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

یاد آیا جو اسیرانِ قفس کو گلزار
مضطرب ہو کے یہ تڑپے کہ قفس ٹوٹ گئے

نہ کر کچھ خوانِ دوں ہمت پہ ہاتھ اے ذوق آلودہ
کہ یہ کھانا مرے آگے ہے بدتر زہر کھانے سے

لاشے کو دفن کیجے میرے کہ پھینک دیجے
مردہ بدستِ زندہ جو چاہیے سو کیجے

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نے آئے نہ اپنی خوشی چلے

توڑا کمر شاخ کو کثرت نے ثمر کی
دنیا میں گراں باریٔ اولاد غضب ہے

ذوق گل اور کوئی آج کھلا چاہتا ہے
کہ ہوا باغ جہاں میں ہے دگر گوں چلتی

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جس بات پر تمہاری سب غش ہیں ہم سے پوچھو
ہم کہویں آنکھوں دیکھی وہ سب سنی سنائی

اگر ہوتے ہو تم برہم ابھی سے
تو پھر ہوتے ہیں رخصت ہم ابھی سے

دنیا نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یونہی جب تک چلی چلے

اے ذوقؔ دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اے دل ہجوم درد و الم سے نہ تنگ ہو
خانہ خراب ہو کے بھی آباد گھر تو ہے

پلا مے آشکارا کس کی ہم کو ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دلِ بے تاب مجھے

سفرِ عمر ہے یارب کہ ہے طوفانِ بلا
ہر قدم سیلِ حوادث کا ہے گرداب مجھے

دخترِ رز نے وہ انداز دکھائے سرِ بزم
رات یاروں کے وہاں غسل و وضو ٹوٹ گئے

پہلے بتوں کے عشق میں ایمان پر بنی
پھر ایسی آ بنی کہ مری جان پر بنی

گھر سے اپنے نہ نکلتا کبھی باہر خورشید
ہوسِ گرمیٔ بازار لیے پھرتی ہے

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اس جبر پر تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

پھول تو دو دن بہار اپنی صبا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

رسوؔا، مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی

نہ پوچھ نامۂ اعمال کی دل آویزی
تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

برباد کر کے مجھ کو نہ ہوں منفعل حضور
میں آپ معترف ہوں کہ میرا قصور تھا

کہیں ہم اب کچھ ایسے شعر مرزا جن میں جدت ہو
کہاں تک حاشیے لکھا کریں غالب کے دیواں پر

رشکؔ، میر علی اوسط لکھنوی

حشر میں داغ غم آل پیمبر اے رشک
باعثِ راحت و آمرزشِ عصیاں ہوگا

جو بے ڈھب ہے رہِ ملک عدم اے رشک کیا غم ہے
خدا کا مصطفیٰ کا مرتضیٰ کا نام لیتا جا

غمزہ نہ اٹھ سکا دل شیدا اٹھا لیا
کس چیز کو اٹھانے گئے کیا اٹھا لیا

آیئے جب مزاج میں آے
خانۂ دل حضور کا ہے گھر

سجدۂ شکر جفا پر کرنا
اس کو ہم لوگ وفا کہتے ہیں

لطف و کرم سے دیکھیو اے چشم عیب بیں
مجھ میں سوائے بے ہنری کچھ ہنر نہیں

دھوپ میں مجھ کو ذلیل و خوار رہنے دیجیے
آپ اپنا سایۂ دیوار رہنے دیجیے

خوف دار و گیر اُسے ہو جو ہو اوروں کا غلام
رشؔک مملوکِ جنابِ شاہ خیبر گیر ہے

رشیدؔ، سید مرتضیٰ میرزا عرف پیارے صاحب

ذکر وفا جو اے ستم ایجاد آگیا
بھولے ہوئے تھے قصہ غم یاد آگیا

رشیدؔ آغاز الفت سے کہیں انجام بہتر ہے
کہ بحر عشق کے ڈوبے لب کوثر نکلتے ہیں

آپ سے ہم نہ کہیں حال تو پھر کس سے کہیں
آپ ہی ہم سے غریبوں کی خبر لیتے ہیں

خزاں جو آج نہیں ہے تو کل بہار نہیں
چمن کی عمر دو روزہ کا اعتبار نہیں

گردش چشم ہے پیمانے میں
تم گئے ہو کبھی مے خانے میں

نکلے جو قلب سے وہ مری آرزو نہیں
تو مل بھی جائے گر تو یہ سمجھوں کہ تو نہیں

گھبرائیں گے نہ جا کے جہاں سے عدم میں ہم
کیا غم بہت سے لوگ وہاں بھی یہاں کے ہیں

امیدیں سب رشیدؔ کی برآئیں اے خدا
حاجت نہ کوئی قاضی حاجات رہ گئی

کرم ساقی کا دیکھ گو طلب تھی ایک ساغر کی
ملیں میرے لبوں سے اٹھ کے موجیں حوضِ کوثر کی

قلب سے صبر و شکیبائی کو رخصت کر گئے
آپ دم بھر کے لیے آئے قیامت کر گئے

جو عذر اہل عدم کو ہے تو گلہ نہیں کچھ
ہمیں چلیں گے جو احباب آنہیں سکتے

مریض عشق میری جان مر گئے بے موت
خفا جو تم تھے کسی نے نہ کی دوا ان کی

اگرچہ زائر کعبہ تھے دیکھنے میں رشیدؔ
جناب پیرِ خراباتِ لکھنؤ نکلے

ہم دعا دے کے درِ یار سے کیوں کر نہ پھریں
کچھ بھی ملنے کی ہو امید تو سائل ٹھہرے

نزع کا یہ وقت ہے اتنا تو کہہ دیجے رشیدؔ
آنے والے جلد آ یہ آخری آواز ہے

رندؔ، سید محمد خاں لکھنوی

لطف فرمایا قدم رنجہ کیا شاد کیا
مہرباں آپ کا احسان ہمارے سر پر

نو گرفتار قفس آمادہ ہیں فریاد پر
ناگوارا گر نہ گذرے خاطر صیاد پر

دکھایا کنج قفس مجھ کو آب ودانہ نے
وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد

ہمیشہ ایک سا عالم ہے باغ ہستی پر
کچھ اس چمن کی بہار و خزاں نہیں معلوم

للہ الحمد کہ غربت میں وہ راحت پائی
دل سے بھولے ہوئے ہم یادِ وطن بیٹھے ہیں

جانِ جائے عشق میں یا نام و ننگ
رندؔ ان باتوں سے گھبراتا نہیں

مدت سے آشیانہ و گل کی خبر نہیں
پوچھوں چمن کا حال جو بادِ صبا ملے

برباد نہ جائے گی یہ فریاد ہماری
کوئی تو سنے گا دلِ ناشاد ہماری

چشم عبرت سے ذرا سیر چمن کر غافل
مل گئے خاک میں لاکھوں گل رعنا کیسے

دیے ہیں آسماں تو نے زیادہ رنج راحت سے
ہنسایا ہے اگر دم بھر تو پھر پہروں رلایا ہے

کیا مِلا عرض مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

آرزوے رخ نکو نہ گئی
عشق بازی کی دل سے خو نہ گئی

رنگینؔ، سعادت یار خاں دہلوی
کچھ مجھ کو گناہوں کا خطرہ نہیں محشر میں
چھوڑوں گی نہ میں دامن خاتونِ قیامت کا

رواں، جگت موہن لال

یہ کس خانہ بر انداز چمن کی آمد آمد ہے
نظر آتا ہے کچھ بدلا سا رنگِ بوستاں مجھ کو

کیا تم سے بتائیں عمر فانی کیا تھی
بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی
یہ گل کی مہک تھی، وہ ہوا کا جھونکا
اک موجِ فنا تھی زندگانی کیا تھی

ریاضؔ، خیرآبادی

کچھ شوخیٔ رفتار میں بھی کم ہے قیامت
کچھ قد بھی نکلتا ہے بتِ شوخ ادا کا

شاید ریاضؔ ہیں جو عصا ٹیکتے ہوئے
آئے ہیں میکدے میں ابھی خانقاہ سے

سالکؔ، مرزا قربان علی

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک
تندرستی ہزار نعمت ہے

سراجؔ، اورنگ آبادی

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

کبھو سمت غیب سے کیا ہوا کہ چمن ظہور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہو سو ہری رہی

سرورؔ، مرزا رجب علی بیگ

گو ملے جنت بھی رہنے کو بجائے لکھنو
چونک میں اٹھتا ہوں اس پر کہہ کے ہائے لکھنؤ

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ

سنا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
وہ بے شک لکھنؤ کی سر زمیں ہے

سوداؔ محمد رفیع دہلوی

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہوگیا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ہجر کو
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

اس مُرغِ ناتواں کی صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہنچا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو
خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا

کودا کوئی یوں چھت پہ تری دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

میں دشمنِ جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلّمۂ اللہ تعالیٰ

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھائے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

آن کر قصرِ فریدوں کے در اوپر اک شخص
حلقہ زن ہو کے پکارا کوئی یاں ہے کہ نہیں

خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے ہے بات تری مجھ کو تیر سی دل میں

غرض کفر سے اور نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

امید ہوگئی کچھ گوشہ گیر سی دل میں
رہا کرے ہے تمنا اسیر سی دل میں

گدا دستِ اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں میں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

سوداؔ خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

لیے تسبیح ہاتھوں میں جو تو باتیں بناتا ہے
نہیں دیکھا ہے زاہد تو نے اس غارت گر دیں کو

گوہر کو جوہری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

کیا فائدہ گر خلق پہ ظاہر ہے میرا حال
جو چاہئے آگاہ سو غافل تو وہی ہے

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے و ہر مردے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے

کس ہستیٔ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار
کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے و گرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے

میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ رے اللہ رے کیا نظم بیاں ہے

سوزؔ، محمد میر

جن کو نت دیکھتے تھے اب ان کا
دیکھنا ہی خیال و خواب ہوا

URDU ADAB DIGITAL
LIBRARY (BAIG_RAJ)

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبیریری (بیگ راج)
+92 - 307 - 7002092

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری اور ریختہ کتب مرلز بیگ راج (1، 2، 3 اور برائے خواتین) گروپس میں تمام ممبران کو خوش آمدید اُردو ادب کی پی ڈی ایف کتابوں تک با آسانی رسائی کیلئے ہمارے واٹس ایپ گروپس اور ٹیلی گرام چینل کو جوائن کریں۔ اور بلا معاوضہ با آسانی کتابیں سرچ اور ڈاؤنلوڈ کریں۔ اورہ کتابوں کے نام سے معاوضہ وصول کرنے والوں سے ہمارا قطعہ کسی بھی کسی کا ناکوئی تعلق ناواسطہ ہے ہمارا مقصد اردو ادب کا فروغ اور رضائے الٰہی کیلئے دوسروں کی مدد ہے اور واٹس ایپ پر خواتین کیلئے علیحدہ گروپ بھی موجود ہے برائے مہربانی جو خواتین الگ برائے خواتین گروپ میں شمولیت اختیار کرنا چاہیے تو گروپ ایڈمنز سے رابطہ کریں۔

منجانب : گروپ ایڈمن (بیگ راج)

واٹس ایپ لنک :
HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/FSBIJHJMKBQBNKUPZFE5Z
HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/HI9ER6LOZGP9MXZBUJQFZD

TELEGRAM - HTTPS://T.ME/JUST4U92

فیس بک پیج لنک : HTTPS://WWW.FACEBOOK.COM/ALMUGHAL.URDU.PAGE

رات کو نیند ہے، نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

نہ بھائی مجھے زندگانی نہ بھائی
مجھے مار ڈالو مجھے مار ڈالو

کوئی مشکل نہیں رہتی ہے مشکل
محبت ہے اگر مشکل کشا کی

ہم کو نہ کچھ مال نہ زر چاہیے
لطف کی بس ایک نظر چاہیے

فرض کیا ہم نے کہ ہے سنگ دل
آہ میں اپنی بھی اثر چاہیے

سہیل، اقبال احمد خاں

غبار شیخ و برہمن نہ درمیاں ہوتا
تو خاکِ ہند کا ہر ذرہ آسماں ہوتا

وارفتگانِ شوق کو کیا دیر کیا حرم
جس در پہ دی صدا در جاناں بنا دیا

عقوبت ہائے فردا سے ڈراتا کیا ہے اے واعظ
یہ دنیا رفتہ رفتہ خود جہنم ہوتی جاتی ہے

سیاحؔ، میاں داد خاں

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

شادؔ، علی محمد عظیم آبادی

دل کیا بجھا کہ ہوگیا اندھیر ہر طرف
گھر بھر میں اے نسیم یہی اک چراغ تھا

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آجاؤ جو تم کو آنا ہو، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

کدورت سے دل اپنا صاف رکھ اے شادؔ پیری میں
کہ جس کو منھ دکھانا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینا اسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے

غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول
اپنا کرو خیال، ہماری تو کٹ گئی

سکھانا علم کا غیروں کو، اپنا سیکھنا سمجھو
یہ دولت اتنی ہی بڑھتی ہے جتنی گھٹتی جاتی ہے

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

لاشیں تڑپ رہی ہیں، شہیدان عشق کی
قاتل تری گلی نہ ہوئی کربلا ہوئی

ہوش جب تک تھے نہ دی ساقی نے بھر بھر کر شراب
میرے بے خود ہوتے ہی لب ریز پیمانے ہوئے

شادؔ پیرومیرؔ، محمد جان لکھنوی

عہد شباب صورت صرصر گذر گیا
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا

جو ویرانہ اے شادؔ اب لکھنؤ ہے
بسا خوب آگے یہ اجڑا نگر تھا

دنیا میں قصر و ایواں بے فائدہ بنایا
عُقبیٰ نہیں بنائی منعم تو کیا بنایا

قسمت تو دیکھو ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

بتوں کے منھ سے سنا جو اُسے بجا سمجھے
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھے

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اے شادؔ مفلسی میں بھی لازم ہے دل غنی
ہر چند ہاتھ تنگ ہو ہمت، بڑی رہے

گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے
الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

عیال و مال نے روکا ہے دم کو آنکھوں میں
یہ ٹھگ ہٹیں تو مسافر کو راستہ مل جائے

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے

اے شادؔ لکھنؤ کی خرابی نہ پوچھیے
بستی بسی بسائی گلوں کی اجڑ گئی

فصیح کیوں نہ ہوں ہم اہل لکھنؤ اے شادؔ
خراب کی ہے زباں شاعروں نے باہر کے

سخن شادؔ اپنا خوش آئے نہ آئے
یہ اردو زباں ہے، بھلی یا بُری ہے

شرفؔ، آغا حجو

اجل گرفتہ گئے کس طرف کو کیا معلوم
خزاں گلوں کو کدھر لے گئی خدا معلوم

شعورؔ، شیخ عبدالرؤف بریلوی

دام صیاد میں بس ساعتِ بد ہم آئے
جو کبھی چاک قفس سے بھی نہ گلشن دیکھا

سازِ مطرب کی صدا سنتے تھے جس گھر میں شعورؔ
ہم نے آخر وہیں ہنگامۂ شیون دیکھا

آپ کی وعدہ خلافی سے ہوا جی پھیکا
ہم کھٹائی میں پڑے رنگ نہ اچھا آیا

صیاد کس بلا میں تو نے مجھے پھنسایا
اے کاش ذبح کرتا بے بال و پر نہ کرتا

کرتا ہے کون رحم کسی بے گناہ پر
پڑتے ہیں تازیانے یہاں داد خواہ پر

ناحق ہے سرفرازیٔ بے جا پہ افتخار
نسبت بہادری سے نہیں ہے خطاب کو

کس لیے بت توڑیے کاہے کو مسجد ڈھایئے
ہے مناسب خاطرِ گبر و مسلماں کیجیے

شیدآ، نثار حسین خاں

نہ آئی شرم اے بیٹا زمانے نے تمہیں تھوکا
تکا کرتے ہو منھ بیٹھے ہوئے دن رات جورو کا

سنبھل کر ریختی کہنا کہے دیتی ہوں میں تم سے
زباں ہو جائے گی پھوہڑ جو اے شیدآ ذرا چوکا

داڑھی مونچھیں تو بوا چاٹ گئی ہے دیمک
خیر سے چہرے پہ دولھا کے ہے پردہ سہرا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

بڑے بوڑھے تھے دھوکا کھا گئے اک مرتبہ آدم
بھلا اب تو کرے یہ بے حیا شیطان شیطانی

شیفتہ، مصطفیٰ خاں

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذت گناہ میں

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

صفی، سید علی نقی لکھنوی

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

ملک معنی میں ترا سکہ اگر بیٹھا تو کیا
اس جہاں سے جب صفیؔ غالبؔ سا کامل اٹھ گیا

پیری میں سوز و ساز دلِ داغدار کیا
اجڑے ہوئے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

جا کے جب تازہ مزاروں پہ چراغاں کرنا
ایک ٹوٹی ہوئی تربت پہ بھی احساں کرنا

مہرباں تونے وہ انداز نظر چھوڑ دیا
ہم نے اس واسطے آنا ہی ادھر چھوڑ دیا

ہے لطف سخن اور صفیؔ لطف زباں اور
ہر اہل سخن اہل زباں ہو نہیں سکتا

موئے سفید سر میں پھر اس پر یہ غفلتیں
چونکو صفیؔ کہ صبح کا ہنگام ہوگیا

ہر چار طرف دہر میں اک آگ لگی ہے
تم نے اثر خون شہیداں نہیں دیکھا

فسانۂ جگر و قلب خوں چکاں سن لو
جو سن سکو تو ہماری بھی داستاں سن لو

ہوتی ہوتی ہے جب کہ بربادی
عشق خانہ خراب ہوتا ہے

پروانوں کا ہجوم تھا شمع حیات تک
احباب گرد تا نفسِ واپسیں رہے

ہے سخت یار منتِ ابنائے روزگار
احسان اے صبا نہ کسی کا اٹھایئے

کل ہم آئینے میں رخ کی جھریاں دیکھا کیے
کاروان عمر رفتہ کے نشاں دیکھا کیے

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کیے

اے کاش کہ مٹی مری ہو جائے سوارت
یا رب اسے خاکِ درِ جاناناں بنا دے

راز گل و بلبل کی خبر تھی نہ کسی کو
یہ بات صبا تیری ہی پھیلائی ہوئی ہے

ضمیرؔ، میر مظفر حسین دہلوی

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے

عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ظفرؔ، بہادر شاہ دہلوی

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

مر گیا میں نہ ہوئی تجھ کو خبر ہائے ستم
بے خبر مجھ کو تری بے خبری نے مارا

سو جام ملے شربت کوثر کے پیالے
اک اشک ظفر گر غم شبیر سے ٹپکا

تاثیر غم سے شاہِ شہیداں کی اے ظفرؔ
دل کیوں نہ خوں کرے شب عاشور اشک کا

دام سے صیاد مرغ ناتواں چھوٹا تو کیا
یہ نہیں امید اڑ کر آشیاں تک جائے گا

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

ایمان و دیں کو پیچھے سمجھ لینا اے ظفرؔ
پہلے تم اس کی نذر دل و جان تو کرو

میرے سمجھانے کو آئے حضرت ناصح ہیں آج
دیکھیے کیا مجھ کو سمجھاتے ہیں سمجھانے تو دو

ظفرؔ ہوں بات میں جس کی ہزار طرح کے شر
بشر کو چاہیے سائے سے اس بشر کے بچے

دانا ہے وہ جو سمجھے کہ قسمت ہے کیمیا
احمق ہے وہ جو خواہش اکسیر میں پھنسے

کہاں تک یوں ہی ہر شب انجمن آرائی ہووے گی
پھر آخر ایک دن تو ہوگا اور تنہائی ہووے گی

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

ظہیرؔ، ظہیرالدین دہلوی

اور تو دے لیں گے ہم سب کا جواب
لیکن ان کی گالیوں کا کیا جواب

یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

عاصیؔ، گھنشیام لال

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

عرفان، محمد عرفان صدیقی

ہاں اہلِ زر کے پاس خزانے تو ہیں مگر
مولا کا یہ فقیر ضرورت کہاں سے لائے

علی سردار جعفری

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا

غالبؔ، مرزا اسد اللہ خاں

زخم نے داد نہ دی تنگئ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پَر افشاں نکلا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں کہہ دے کوئی اس سہرے سے بڑھ کر سہرا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالبؔ
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میرؔ بھی تھا

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبد بے در کھلا

بوئے گل نالۂ دل، دُودِ چراغ محفل
جو تیری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلاب گریہ در پئے دیوار و در ہے آج

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف مے مردم فگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا، قاتل سے کہتا ہے
تو مشق ناز کر، خونِ دو عالم میری گردن پر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

تو اور آرائشِ خم کا کل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

کب تلک اپنی کہے جاؤ گے
بات میری بھی سنو بندہ نواز

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

میں نے کہا کہ بزم ناز غیر سے چاہیے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

تھیں بنات النعش گردوں، دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

نیند اسکی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

طاعت میں تار ہے نہ مے وانگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈالدو کوئی لے کر بہشت کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

پھر دیکھئے انداز گل افشانئ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

بات پر یاں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی
وہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

ہوا ہے شہہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا!
اور درویش کی صدا کیا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کے لیے

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خوابِ سحر گئی

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا ہے تو صحرا اداس ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

پُر ہوں یوں شکوے سے میں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

مقدور ہو تو پوچھوں زمیں سے کہ او لئیم
تونے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہُوا کیے

دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بِن صدا کیے

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیاں حسن طبیعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہیے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کے تم مرے لیے ہوتے

فانیؔ، شوکت علی خاں بدایونی

اک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

فرازؔ، احمد
اجل سے خوف زدہ زیست سے ڈرے ہوئے لوگ
کہ جی رہے ہیں مرے شہر میں مرے ہوئے لوگ

کچھ ایسا ظلم کا موسم ٹھہر گیا تھا فرازؔ
کسی بھی آب و ہوا میں نہ پھر ہرے ہوئے لوگ

اب کے گر بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

فراقؔ، رگھوپتی سہائے گورکھپوری

اب نہیں زندگی میں کوئی کمی
بس ترا انتظار ہے اے دوست

اگر بدل نہ دیا آدمی نے دنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں

یادِ ایام کی پُروائیوں دھیمے دھیمے
میر کی کوئی غزل گاؤ کہ کچھ رات کٹے

بھری دنیا میں دم گھٹتا ہے اف رے دور تنہائی
سب اپنے ہیں مگر سچ ہے کسی کا کون ہوتا ہے

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہوگئی ہے

فیضؔ، فیض احمد

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

یہ سخن جو ہم نے رقم کیے یہ ہیں سب ورق تری یاد کے
کوئی لمحہ صبح وصال کا کئی شام ہجر کی مدتیں

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں

زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں

نہ جانے کس لئے امیدوار بیٹھا ہوں
اک ایسی راہ پہ جو تری رہگذر بھی نہیں

وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
دل ہے اکثر اداس رہتا ہے

آئے تو یوں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہرباں
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

تم تو غم دے کے بھول جاتے ہو
مجھ کو احساں کا پاس رہتا ہے

زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

کر رہا تھا غمِ جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

صبا نے پھر درِ زنداں پہ آکے دی دستک
سحر قریب ہے دل سے کہو نہ گھبرائے

ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیضؔ گلشن میں وہی طرز فغاں ٹھہری ہے

منت چارہ ساز کون کرے
درد جب جاں نواز ہو جائے

پاپوش کی کیا فکر ہے دستار سنبھالو
پایاب ہے جو موج، گذر جائے گی سر سے

ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گزری ہے

جو ہم پہ گذری سو گذری مگر شب ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے

جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

بھولے سے مسکرا تو دیے تھے وہ آج فیض
مت پوچھ ولولے دلِ ناکردہ کار کے

فضائے دل پہ اُداسی بکھرتی جاتی ہے
فسردگی ہے کہ جاں تک اترتی جاتی ہے

فریب زیست سے قدرت کا مدعا معلوم
یہ ہوش ہے کہ جوانی گذرتی جاتی ہے

قائم، قیام الدین چاندپوری

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

ٹوٹا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کی سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

نے ناز نہ عشوہ ہے نہ تقطیع نہ چھب ہے
دل کو جو لبھائے ہے وہ کچھ اور سبب ہے

مر جایئے کسی سے پہ الفت نہ کیجیے
جاں دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

آج قائم کے شعر ہم نے سنے
ہاں اک انداز تو نکلتا ہے

گوپال متل مالیر کوٹلوی

مجھے زندگی کی دعا دینے والے
ہنسی آرہی ہے تری سادگی پر

گویاؔ، فقیر محمد خاں

وائے قسمت کب کیا صیاد نے قید قفس
جب خزاں جانے کو تھی فصل بہار آنے کو تھی

نشاں ہم بے نشانوں کا نہ پایا
صبا نے مدتوں تک خاک چھانی

ماچس، مرزا محمد اقبال لکھنوی

ہے جنس محبت کا خریدار زمانہ
بازار میں لیکن ہے یہی مال ندارد

شیخ آئے جو محشر میں تو اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

تحقیق کیا ان کا جو شجرہ تو یہ پایا
کچھ یوں ہی سی ننھیال ہے ددھیال ندارد

ملے بھی ہیں تو اف رے نخوت حسن
سڑک پر آڑے آڑے جا رہے ہیں

جہاں پڑتا تھا ان کے گھر کا کوڑا
وہیں عاشق بھی گاڑے جا رہے ہیں

میں ان کو دیکھنے جاؤں وہ مجھ کو دیکھنے آئیں
کبھی ان کو بخار آئے کبھی مجھ کو بخار آئے

ماہ لقا بائی چندا حیدر آبادی

ہم جو شب کو ناگہاں اس شوخ کے پالے پڑے
دل تو جاتا ہی رہا اب جان کے لالے پڑے

مجازؔ، اسرار الحق ردولوی/لکھنوی

اس محفل کیف و مستی میں اس انجمن عرفانی میں
سب جام بکف بیٹھے ہی رہے ہم پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

مجروحؔ، سلطانپوری

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

مجروح لکھ رہے ہیں وہ اہل وفا کے نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہ گار کی طرح

بچا لیا مجھے طوفاں کی موج نے ورنہ
کنارے والے سفینہ مرا ڈبو دیتے

مستؔ، کلکتوی

سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

نہیں معلوم دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

مصحفیؔ، غلام ہمدانی

دل میں کہتے تھے ملے یار تو کچھ اس سے کہیں
مل گیا وہ، تو نہ اک حرف زباں سے نکلا

جو ملا اس نے بے وفائی کی
کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا

یاد ایام بے قراریٔ دل
وہ بھی یارب عجب زمانہ تھا

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب عمر لب بام آ گیا

اور سب کچھ ملے ہے دنیا میں
لیکن اک آشنا نہیں ملتا

چلی بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا

مصحفیؔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

نہ مصحفیؔ سے رہو دل گرفتہ آخر کار
سنو گے تم کہ موئے اس کو اک زمانہ ہوا

پروا نہیں جو تم کو تو پروا نہیں ہمیں
سچ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں تالیاں

جتنی الفت زیادہ ہوتی ہے
اتنی حسرت زیادہ ہوتی ہے

مصحفی اوقات کا اپنے تو ہرگز غم نہ کھا
جس طرح گزری ہے باقی بھی بسر ہو جائیگی

مضطرؔ، محمد افتخار حسین خیرآبادی

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

معروفؔ، الٰہی بخش

یوں سب کے تو دوستدار ہیں ہم
لیکن یاروں کے یار ہیں ہم

پوچھا جو اس سے کس طرح خاک میں مل گیا وہ شخص
نام مرا زمین پر لکھ کے مٹا دیا کہ یوں

ہم ہیں دشمن، رقیب ہیں پیارے
اپنے اپنے نصیب ہیں پیارے

ملّاؔ، پنڈت آنند نرائن

نعرۂ گرم انقلاب ہم نے بھی ہاں سنا تو ہے
جام و سبو کے آس پاس دار و رسن سے دور دور

خون شہید سے بھی ہے قیمت میں کچھ سوا
فنکار کے قلم کی سیاہی کی ایک بوند

منیرؔ، سید اسماعیل حسین شکوہ آبادی

شاعروں میں گفتگو آئی کدورت کی بہم
صاف کہتا ہوں کہ اب رنگ سخن میلا ہوا

تو ہے تو ترے طالب دیدار بہت ہیں
یوسف ہے سلامت تو خریدار بہت ہیں

کدھر کو ہوش و خرد جائیں بہر استقبال
نئی بلاؤں کی آمد جو چار سو سے ہو

نشہ میں سہواً کرلی توبہ
ایسی بھول الٰہی توبہ!

جاروب کشی ملتی اگر کرب و بلا کی
ہاتھوں سے منیرؔ اور کوئی کام نہ لیتے

موجیؔ، موجی رام

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

موزوںؔ، رام نرائن

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

مومنؔ، حکیم مومن خاں دہلوی

ان نصیبوں پر کیا اخترِ شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

دل ایسے شوخ کو مومنؔ نے دے دیا کہ وہ ہے
محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

ذکر شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ
مومنؔ میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت میں دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یوں ہے بری بلا ہے عشق

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے مجبور جی سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومنؔ نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

اے حشر جلد کر تہہ و بالا جہاں کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب مے کدے میں گذرے ہیں دن خانقاہ میں

مومن نہ توڑ رشتۂ زنار برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

اس غیرت ناہید کی ہرتان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی وعدہ یعنی نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانہ کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہوں گے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی تو ظالم نے کیا کی

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مونسؔ، میر نواب لکھنوی

فانوس بن کے آپ حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

میرؔ، میر محمد تقی دہلوی/لکھنوی

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہ شیشہ گری کا

ابتدائے عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

یاں کے سفید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جیوں تیوں شام کیا

پشیماں ہوا دوستی کر کے میں
بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے نیند گئی آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہِ طور تھا

مسجد میں امام آج ہوا آکے وہاں سے
کل تک تو یہی میرؔ خرابات نشیں تھا

تڑپے ہے جب کہ سینے میں اُچھلے ہے دو دو ہاتھ
گر دل یہی ہے میرؔ تو آرام ہو چکا

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے
ابھی پہلو سے نہ اٹھ جایئے گا

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سنکر تبسم کیا

گیا حسن خوباں بدراہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

دل کی لاگ کہیں جو ہو تو میرؔ چھپائے رکھ اس کو
یعنی عشق ہوا ظاہر تو لوگوں میں رسوا ہوگا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو کچھ کہ میرؔ کا اس عاشقی نے حال کیا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

راہ دور عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میرؔ
یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا ہے
ذلت جو ہو وطن میں تو کوئی دن سفر کر

اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش
جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جنکی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

دم آخر ہے بیٹھ جا مت جا
صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں

عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

اس کی بیگانہ وضع ہے معلوم
برسوں تک آشنا رہا ہوں میں

اہل چمن سے کیوں کر اپنی ہو روشناسی
برسوں اسیر رہ کر اب ہم رہا ہوئے ہیں

وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز
بہت سے روئیے ان پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گر اے بجلی
جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

ہوگا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

فرصت بود و باش یاں کم ہے
کام جو کچھ کرو شتاب کرو

منع گریہ نہ کر تو اے ناصح
اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

گل برگ سی زباں سے بلبل نے کیا فغاں کی
سب جب سے اڑ گئی ہے رنگینی گلستاں کی

نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہ سائی کی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی

حال بد گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

عہد شباب کی تو فرصت تھی ایک چشمک
مژگاں بہم زدن میں جاتی رہی جوانی

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

تری چال ٹیڑھی تری بات انوکھی
تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسی نے

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کے

جنس دل دونوں جہاں، جس کی بہا تھی اس کا
یک نگہ مول ہوا تم نہ خریدار ہوئے

گذار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں میرؔ شکستہ پا بھی ہے

پہنچا تو ہوگا سمعِ مبارک میں حال میرؔ
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگایئے

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے

ضائع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے

جان غیور پر ہے ستم سا ستم کہ میرؔ
بگڑا جنہوں سے چاہیے ان کو منایئے

جو لوگ چلتے پھرتے یاں چھوڑ کر گئے تھے
دیکھا نہ اب کی ان کو آئے جو ہم سفر سے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

ہوس اسیروں کے ٹک دل کی نکلے کچھ شاید
کوئی دن اور اگر موسم بہار رہے

پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میرؔ
کیا دوانے نے موت پائی ہے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سراپا میں اس کی نظر کر کے تم
جہاں دیکھو اللہ ہی اللہ ہے

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میرؔ
کہ اب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آئے

سر کسی سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے

میر حسن دہلوی

اسی دل میں ہے عیش و غم اسی میں شادمانی ہے
سہانی سی یہی بستی ہے اجڑا سا یہی کھیڑا

دل خدا جانے کس کے پاس رہا
ان دنوں جی بہت اداس رہا

تیرے ہم نام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں
جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو

اس بے اثری پر تو یہ نالے ہیں کیا ہوتا
معلوم اگر ہوتا کچھ ان کا اثر مجھ کو

نہ کافر سے عداوت اور نہ کچھ دیندار سے الفت
فقیر آزاد ہے مشرب میں اپنے سب کے مذہب سے

ہے غنیمت جو اس زمانے میں
اپنی تنخواہ پائے جاتا ہے

کچھ کل سے ہم کو میر حسن کی خبر نہیں
کیا جانے تیری کھوج میں کیدھر نکل گئے

ایک دن کا ہو تو رونا رویئے
اب تو اس رونے سے گھبراتا ہے جی

خانۂ دل تو ہوگیا ویراں
سیر باغ و بہار کیا کیجیے

دنیا یہ کجی کی ہے وہ جاگہ کہ نہ پوچھو
جو چال یہاں سیدھی چلے ہے وہ ہے گمراہ

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھایئے
کہا خیر بہتر ہے، منگوایئے

ناسخ، شیخ امام بخش لکھنوی

کام اوروں کے جاری رہیں ناکام رہیں ہم
اب آپ کی سرکار میں کیا کام ہمارا

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اس میں
اس لئے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا

چاند چھپتا ہے جو دو دن ہوتی ہے مشتاق خلق
ہوگئی قدر اس کی جو نظروں سے پنہاں ہو گیا

بے خودی میں یہ کون یاد آیا
خود بخود دل ہے بے قرار اپنا

بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب
دستِ خدا ہے نام مرے دست گیر کا

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہوگیا
آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہوگیا

جن کے سروں پہ آپ مگس راں رہے ہما
ان کا لحد میں آج کوئی استخواں نہیں

خبر نہیں جنھیں کچھ انقلاب گردوں کی
غرور نیر و اقبال و جاہ کرتے ہیں

دو روز ایک وضع پہ رنگ جہاں نہیں
وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

کیا کروں شکوہ رنج غربت کا
فی الحقیقت کوئی وطن میں نہیں

نہیں ہوتے ہیں فراموش صنم
خاک ہم یادِ خدا کرتے ہیں

نوش کر شوق سے جی کھول کے صرفہ کیا ہے
خوف بدہضمی کا ناصح نہیں غم کھانے میں

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

اس دل کے ہاتھوں چین سے گذرا نہ ایک دن
پیری میں یاد کیا کروں عہد شباب کو

کیا حسد سے چاک ہوتے ہیں جگر مانند صبح
دیکھ کر تاباں کسی کے آفتابِ جاہ کو

آسماں کی کیا ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ

صدمے اٹھانے والے ہیں روزِ فراق کے
کیا لائیں ہم شمار میں روزِ حساب کو

کسی کا کب کوئی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

مجھ کو فرقت کی اسیری سے رہائی ہوتی
کاش عیسیٰ کے عوض موت ہی آئی ہوتی

قفس میں کیوں پڑی دم توڑتی ہے آج اے بلبل
چمن میں کیا کسی نے کوئی ڈالی توڑ ڈالی ہے

ناصر کاظمی

کچھ یادگار شہر ستمگر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں

نسیمؔ۔ دیا شنکر

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

نظامؔ، سید نظام علی شاہ رامپوری

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ
منھ پھیر کے ادھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

نصیر، شاہ دہلوی

بُرقعے کو الٹ منھ سے جو کرتا ہے تو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

دم غنیمت ہے کوئی دم کی یہ صحبت ہم نشیں
تجھ سے پھر ملنا خدا جانے ہمارا ہو نہ ہو

نظیرؔ، ولی محمد اکبرآبادی

ہر چیز سے ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب کوچ نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

ٹک حرص و ہوس کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ

دو دن کی شان ہر کوئی دکھلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سماوات تو پھر کیا

آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

عیش کر دنیا میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

خود ناچتی ہیں سب کو نچاتی ہیں روٹیاں
دیوانہ آدمی کو بناتی ہیں روٹیاں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

اجاڑ شہر میں مُردوں کی بادشاہی ہے
غرض میں کیا ہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یہاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

وحشتؔ کلکتوی

انداز میں شوخی میں شرارت میں حیا میں
واں ایک نہ اک بات نکلتی ہی رہے گی

وزیرؔ، خواجہ حسن لکھنوی

رکھے گا منہ پہ جو آنچل وہ پری رقص کے وقت
شعلۂ حسن چراغِ تہہ داماں ہوگا

چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمینِ کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر

اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو

تمہیں تسلیم واعظ دوزخی کہنا ہے کہنے دو
کہ حبّ اہل بیت و پنجتن کچھ اور کہتی ہے
(تسلیم)

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

ولی دکنی

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

یاد گیسو میں جو آتا ہے کبھی ہوش مجھے
سارا عالم نظر آتا ہے سیہ پوش مجھے

ہدایت، ہدایت اللہ خاں

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

ہوسؔ مرزا محمد تقی خاں

دین و دل جس کے غم ہجر میں برباد کیا
ہائے بھولے سے بھی اس نے نہ ہمیں یاد کیا

ہوسؔ کا دل ترے جانے سے اب ہے منزل غم
کبھی خوشی کا گذر اس دیار میں بھی تھا

شرم کی اوٹ میں سب کام بنا جاتا تھا
ذوقِ بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

کہاں کی نیند آئی ہے الٰہی مسافران رہ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ چونکے تھکے ہم ان کو جگا جگا کر

بیٹھے بٹھائے ناحق لگتا ہے روگ جی کو
یا رب کبھو کسی کو الفت نہ ہو کسی سے

توشۂ راہِ عدم نیک عمل ہے سو کہاں
سفر دور ہے اور فرط کم اسبابی ہے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشانِ شباب باقی ہے

یاسؔ، یگانہ مرزا واجد حسین چنگیزی عظیم آبادی

پہاڑ کاٹنے والے زمیں، سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا، خبطِ مذہب کیا

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانہ ' درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

مقدر کے کرشمے ہیں خطا کیسی سزا کیسی
مجھے اپنے کیے پر یاسؔ پچھتانا نہیں آتا

امید وبیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

یاسؔ اس چرخ زمانہ ساز کا کیا اعتبار
مہرباں ہے آج، کل نامہرباں ہو جائے گا

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

مزارِ یاس پہ کرتے ہیں شکر کے سجدے
دعائے خیر تو کیا اہل لکھنؤ کرتے

کار گاہ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

XXX

اظہر مسعود کی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کے مجموعے

۱۔ شکم آشنا

۲۔ بے تکلف مرتبہ: سید شمیم حسین

۳۔ درشن جھروکا

زیرِ اشاعت

۴۔ مرزا نامہ

۵۔ ڈرتا ہوں آئینے سے

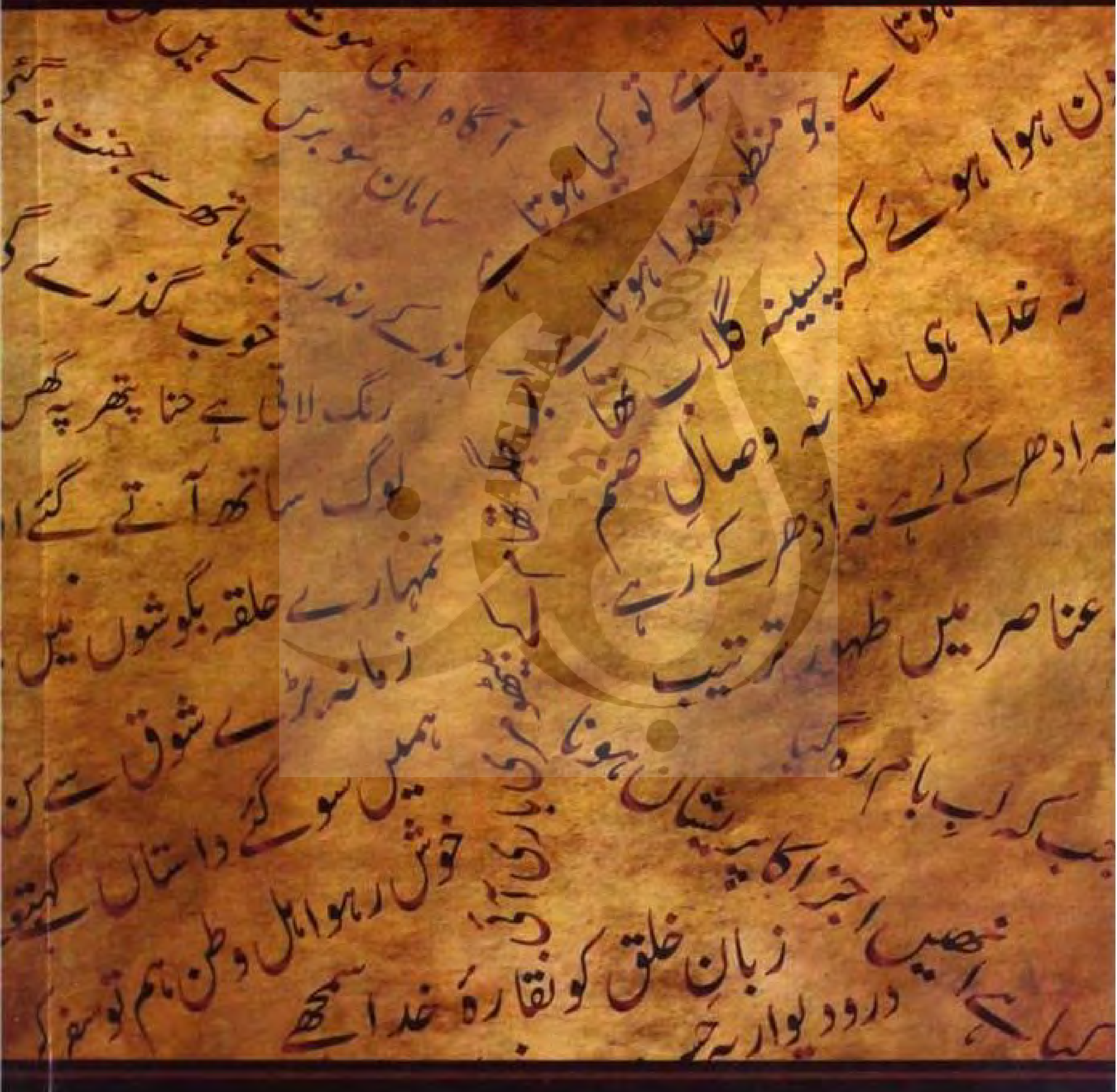
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھے
عناصر میں ظہورِ ترتیب